حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ

تاریخِ اسلام کے ایک نہایت اہم اور نازک مسئلے کا علمی و تحقیقی جائزہ

تالیف

محقق العصر شیخ الحدیث مولانا محمد عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

ڈاکٹر محمد عبد الرحمن غضنفر

مؤسس و مدیر

الرحیم اکیڈمی

اے ۷/، اعظم نگر پوسٹ آفس، لیاقت آباد

کراچی ۷۵۹۰۰

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ

تاریخ اسلام کے ایک نہایت اہم اور نازک مسئلے کا علمی و تحقیقی جائزہ

تالیف

محقق العصر شیخ الحدیث مولانا محمد عبد الرشید نعمانی مدظلہ العالی



محمد عبد العظیم مظفر لطیف

مکتبہ اہل سنت و جماعت

۳۸۶ - قاسم آباد - لیاقت آباد - کراچی ۷۵۹۰۰ پاکستان

فون ۴۲۱۹۸۷

نام کتاب: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قصاص عثمان رضی اللہ عنہ

تالیف: محقق العصر شیخ الحدیث مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

سرورق: حضرت شاہ نفیس الحسینی دامت برکاتہم

کتابت: مولانا عیسیٰ سربازی

ناشرین: محمد عبدالعظیم مظفر لطیف، مکتبہ اہل سنت و جماعت، کراچی ۱۹

: ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن غضنفر۔ الرحیم اکیڈمی، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

رابطہ ٹیلیفون: ۴۹۱۳۹۱۶

تاریخ اشاعت

طبع اول ربیع الاول ۱۴۱۹ھ طبع دوم ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

تعداد: ۱۰۰۰ = قیمت: -/۶۰ روپے

ملنے کے پتے

۱۔ الرحیم اکیڈمی، کراچی ۱۹ ۲۔ مکتبہ اہل سنت و جماعت، کراچی ۱۹

۳۔ اسلامی کتب خانہ۔ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی ۴۔ درخواستی کتب خانہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

۵۔ مکتبہ قاسمیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی ۶۔ علمی کتاب گھر۔ اردو بازار، کراچی۔

۸۔ مکتبہ قاسمیہ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور۔ ۷۔ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ بلوچستان

اور تمام پاکستان کے مشہور کتب خانوں پر دستیاب ہے۔

عرض ناشر

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا

تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہم کو اس قابل کیا کہ اس کتاب کی اشاعت کر سکیں۔ اور لاکھوں درود و سلام اس نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کے طفیل ہمیں اسلام عطا کیا اور مسلمان بنایا۔ اس سے قبل ہم "رد ناصبیت" کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل کتب ناظرین کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں: (۱) اکابر صحابہ پر بہتان (۲) شہدائے کربلا پر افتراء (۳) یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں (۴) ناصبیت تحقیق کے بھیس میں (۵) یزید علماء اہل سنت دیوبند کی نظر میں۔ اہل علم اور عام حضرات نے اس کی پذیرائی کی ہے۔ ہم ان حضرات کے شکر گذار ہیں اور پُر امید ہیں کہ اسی طرح اس کتاب کی بھی پذیرائی کریں گے۔ اللہ عزوجل سے بصد نیاز یہ دعا ہے کہ وہ ہماری اس کوشش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور "ناصبیت" کے اس فتنے کا قلع قمع فرمائے، آمین۔ جو خاندانِ نبوت اور عترتِ رسول اکرم علیہ الصلوات والتسلیمات سے مسلمانوں کی عقیدت کو مجروح کرنے، اور تاریخ اسلام کا حلیہ بگاڑنے کے لئے کھڑا کیا گیا ہے۔

قارئین سے بس ہماری اتنی استدعا ہے کہ جو کتاب بھی ہم شائع کریں اسکا ٹھنڈے دل سے بار بار بغور مطالعہ کر کے فیصلہ کریں کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حق ہے یا نہیں، مطالعہ کے بعد آپکا دل خود اس امر کی گواہی دے کہ یہ حق کی دعوت ہے تو اس دعوت کو عام کرنے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں، کتاب کو خود خریدیں، استطاعت ہو تو اس کے مزید نسخے خرید کر دوست احباب کو ہدیہ کریں، خاص طور پر اپنے مسجد کے خطیب اور امام صاحب کو۔

کاغذ و کتابت اور طباعت کے مصارف بہت بڑھ گئے ہیں۔ اس کے باوجود ہم نے کتاب کی قیمت نہایت ہی مناسب رکھی ہے تاکہ ہر آدمی اس کو خرید سکے۔

آخر میں اللہ رب العزت کی جناب میں عرض ہے کہ اپنی بارگاہ میں اسکو مصنف و ناشر اور انکے والدین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے آمین ثم آمین۔

۸ر صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
۴ر جون ۱۹۹۸ء

دعاؤں کا طالب: احقر مظفر لطیف عفی عنہ
ابن محمد عبدالرحیم خاطر رحمہ اللہ

فہرست

عنوان	
مقدمہ	۵
استفتاء	۳۹
استفتاء کا جواب	۴۳
حدیثِ قسطنطنیہ اور مغفرتِ یزید شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہ	۱۱۷
حضرت علی رضی اللہ عنہ اور علومِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۱۴۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمدُ للہ ربِّ العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّدنا محمّدٍ وّعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

امّا بعد

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی، "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" میں فرماتے ہیں :

وقد صنف الطحاوی کتاباً فی عقائد أبی حنیفۃ وصاحبیہ، و البیھقی کتاباً فی عقیدۃ الشافعی(۱)

امام طحاوی نے امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے عقائد پر کتاب لکھی ہے اور امام بیہقی نے امام شافعی کے عقیدہ پر

الحمد للہ یہ دونوں کتابیں اس وقت میرے پیش نظر ہیں، یہ دونوں امام حنفی اور شافعی مذہب کے بڑے معتمد علیہ اور ترجمان سمجھے جاتے ہیں۔ "عقائد طحاویہ" برصغیر ہند و پاک اور سعودی مملکت میں زیر درس ہے۔ امام طحاوی نے اپنی کتاب کی ابتداء ان الفاظ میں کی ہے :

ھذا ذکر بیان عقیدۃ اھل السنۃ والجماعۃ علی مذھب فقھاء الملّۃ ابی حنیفۃ النعمان بن ثابت الکوفی

یہ اہل سنت وجماعت کے اس عقیدہ کا بیان ہے جو فقہاء ملت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی، امام ابو یوسف

---

(۱) ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۳۲۲ طبع بریلی ۱۲۸۶ھ

وابي يوسف يعقوب بن ابراهيم الانصاري وابي عبد الله محمد بن الحسن الشيباني رضوان الله عليهم اجمعين، ومايعتقدون من اصول الدين، ويدينون به لرب العالمين.

یعقوب بن ابراھیم انصاری اور امام ابوعبد اللہ محمد بن حسن شیبانی رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مذہب ہے، اور اصولِ دین کے بارے میں یہ حضرات جو عقیدہ رکھتے تھے اور اللہ رب العالمین کے جس دین سے وابستہ تھے، اس کا ذکر ہے

اس کتاب میں وہ فرماتے ہیں :

ونثبت الخلافة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم اولاً لابي بكر الصديق رضي الله عنه تفضيلاً له و تقديماً على جميع الامة . ثم لعمر بن الخطاب رضي الله عنه، ثم لعثمان رضي الله عنه، ثم لعلي بن ابي طالب رضي الله عنه وهم الخلفاء الراشدون والائمة المهتدون.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ہم سب سے پہلے آپ کی خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ثابت کرتے ہیں کیونکہ وہ تمام امت میں افضل اور سب سے مقدم ہیں پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مانتے ہیں پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، اور یہی حضرات خلفاء راشدین اور ہدایت یافتہ ائمہ ہیں۔

غرض اہلِ سنت وجماعت کے نزدیک یہ وہ حضرات ہیں جن کی امامت وخلافت کتاب وسنت کے بے شمار نصوص سے ثابت ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی دونوں کتابیں (۱) "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" (۲) اور "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" اسی عقیدہ کے اثبات کے لئے تصنیف کی گئی

ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اپنے موضوع پر بے نظیر ہیں۔ فارسی تو فارسی حقیقت یہ ہے کہ عربی لٹریچر میں بھی ان کتابوں کی نظیر نہیں۔ جو شخص بھی اس موضوع پر اطمینانِ خاطر چاہتا ہے اس کے لئے ان دونوں کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے۔

اور امام ابوبکر احمد بن علی جصّاص رازی المتوفی ۳۷۰ھ جو ائمہ احناف میں بڑے نامی گرامی، جلیل القدر امام گزرے ہیں، اپنی مشہورِ عام بے بہا تصنیف "احکام القرآن" میں رقمطراز ہیں کہ : اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا

حکم ہوا ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اس واسطے کہ ان پر ظلم ہوا۔

اور پھر ان کا تعارف ان لفظوں میں فرمایا کہ

اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ

جن کو ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا

اور اس کے بعد ان حضرات کے اس وصف کو خصوصی طور پر نمایاں کیا کہ

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور بھلے کام کا حکم کریں اور برائی سے منع کریں۔

ان تینوں فقروں کو ذکر کر کے امام ممدوح ان کے ذیل میں یہ افادہ فرماتے ہیں

وهذه صفة المهاجرين لانهم الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق فاخبر تعالى انهم ان مَكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ

اور یہ مہاجرین کی صفت ہے کیونکہ یہی وہ حضرات ہیں جن کو ناحق اپنی بستیوں سے نکالا گیا اب حق تعالیٰ نے ان حضرات کے بارے میں بتایا کہ "یہ تو ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار عطا

ونهوا عن المنكر وهو صفة الخلفاء الراشدين الذين مكنهم الله فى الارض وهم ابوبكر وعمر وعثمان وعلى رضى الله عنهم. وفيه الدلالة الواضحة على صحة امامتهم لاخبار الله تعالىٰ بانهم اذا مكّنوا فى الارض قاموا بفروض الله عليهم، وقد مكّنوا فى الارض فوجب ان يكونوا ائمة القائمين بأوامر الله منتهين عن زواجره ونواهيه ولا يدخل معاوية فى هٰؤلاء لان الله انما وصف بذلك المهاجرين الذين اُخرجوا من ديارهم وليس معاوية من المهاجرين بل هو من الطلقاء (۱)

کریں تو نماز برپا کریں، زکوٰۃ ادا کریں نیکی کا حکم دیں اور بُرائی سے روکیں" یہی خلفاء راشدین کی صفت رہی جن کو اللہ تعالےٰ نے ملک میں اقتدار عطا فرمایا۔ یہ خلفاء راشدین حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ اور اس آیت میں ان حضرات کی خلافت و امامت کے صحیح ہونے کی واضح دلیل موجود ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ "یہی تو وہ لوگ ہیں کہ جب بھی ان کو زمین میں اقتدار دیا جائے گا تو یہ اللہ تعالےٰ کے فرائض کی بجا آوری میں منہمک رہیں گے" اور ان کو اقتدار دیا گیا جس سے قطعاً ثابت ہو گیا کہ یہی وہ ائمہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اوامر کو برپا کرنے والے اور اس کی ممنوعات و نواہی سے باز رکھنے والے ہیں۔ اور ان لوگوں میں معاویہ رضؓ داخل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ وصف تو ان مہاجر حضرات کا بیان کیا ہے جو اپنے وطنوں سے نکالے گئے اور معاویہ رضؓ تو مہاجرین میں نہیں بلکہ طلقاء میں ہیں۔

(۱) احکام القرآن جصاص ج ۳ ص ۳۰۳ و ۳۰۴ طبع مصر جدید ۱۳۴۷ھ

اب ذرا قرآن کریم کے ان الفاظ پر غور کیجیے کہ ان میں حضرات مہاجرین کی منقبت ہے اور ان کے ائمہ خلفاء راشدین کی مقبولیت و حقانیت کی کیسی واضح دلیل ہے۔

"طلقاء" طلیق کی جمع ہے، "طلیق" اس قیدی کو کہتے ہیں جس کو رہا کر دیا جائے۔ یہاں فعیل بمعنی مفعول ہے۔ غزوہ حنین کی حدیث میں جو یہ آتا ہے کہ

خرج ومعه الطلقاء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس غزوہ میں تشریف لے گئے تو طلقاء آپ کے ہمرکاب تھے

اس میں "طلقاء" کا تعارف لغت کے مشہور امام علامہ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم نے جو ابن منظور کے نام سے مشہور ہیں، ان الفاظ میں کیا ہے:

هم الذين خلّى عنهم يوم الفتح

یہ وہی لوگ ہیں جن کو فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دیا تھا (اور ان سے کوئی باز پرس نہیں کی تھی)

اور ثعلب جو لغت و عربیت کے مشہور اکابر ائمہ میں سے ہیں، فرماتے ہیں:

والطلقاء الذين اُدخلوا فى الاسلام كرهًا (۱)

اور "طلقاء" وہ لوگ ہیں جو ناچاری کو اسلام میں داخل کر لیے گئے۔

یعنی ابھی اسلام ان کے دل میں رچا بسا نہ تھا۔

فتح مکہ کے وقت حضرت معاویہ بے شک طلقاء اور مؤلفۃ القلوب ہی میں تھے لیکن بعد کو سچے پکے مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ اگرچہ خلفاء راشدین

(۱) ملاحظہ ہو لسان العرب، اور تاج العروس شرح قاموس، مادہ "طلق"

میں داخل نہیں اور نہ اہل سنت اس کے قائل ہیں، اس لئے کہ یہ سعادت ان مہاجرین کے لئے مخصوص تھی جو اپنے وطن سے نکالے گئے۔ اور حضرت معاویہ اس شرف سے محروم تھے۔ مگر ان آیاتِ کریمہ کو سامنے رکھ کر ذرا وہ لوگ بھی ٹھنڈے دل سے غور کریں جو خلفاء ثلاثہ حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو اپنے مطاعن کا نشانہ بناتے ہیں اور تاریخ میں "روافض" کے نام سے مشہور ہیں یا حضرات ختنین عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر طعن کرتے ہیں اور "خوارج" کہلاتے ہیں، یا صرف حضرت مرتضٰے کرم اللہ وجہہ سے بغض رکھتے ہیں اور "نواصب" کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ نیز موجودہ دور کے وہ لوگ بھی جو امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالےٰ عنہ یا حضرت مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں کہ وہ کس مقام پر ہیں حالانکہ حق تعالیٰ شانہ نے ان چاروں بزرگوں کا کردار یہ بتایا کہ یہ

"وہ لوگ ہیں کہ ہم جب ان کو اقتدار عطا کریں تو نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں"

اور پھر اس پیشین گوئی کے مطابق جب اللہ تعالےٰ کا فرمایا ہوا پورا ہو کر رہا اور ان ہی مہاجرین میں سے چار حضرات کو اللہ تعالےٰ نے زمین پر اقتدار بخشا، تو ان چاروں بزرگوں نے ـ اللہ تعالیٰ کی ان پر ہزاروں رحمتیں نازل ہوں ـ ویسا ہی کر کے بتایا جیسا اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرما دیا تھا۔ ان حضرات کی خلافت قرآن و اسلام کی حقانیت کی کھلی دلیل ہے۔ اب جو بدبخت ان حضرات کی خلافت میں کیڑے نکالتے ہیں وہ کیا اللہ تعالیٰ اور قرآن کی تکذیب نہیں کرتے؟ یاد رہے ان ہی چاروں بزرگوں کی خلافت "خلافت علی منہاج النبوت" تھی، جس کی مدت حدیثِ صحیح میں تیس سال بیان کی گئی ہے۔ اور احادیثِ

صحیحہ میں ان کے عہدِ خلافت کو "خلافت و رحمت" کا عہد بتایا ہے۔ لہٰذا ان حضرات کے عہدِ خلافت پر طعن کرنا اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرنا ہے۔

چنانچہ آگے چل کر یہی امام ابوبکر جصاص سورۂ نور کی آیت کریمہ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ.

وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے اور جنھوں نے اچھے کام کیے کہ بعد کو حاکم کر دیگا ان کو ملک میں

کے تحت فرماتے ہیں:

فيه الدلالة على صحة نبوة النبي صلى الله عليه وسلم لانه قص ذلك على قوم باعيانهم بقوله (الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ) فوجد مخبره ما اخبر به فيهم.

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صحیح ہونے کی دلیل ہے کیونکہ حق سبحانہ نے یہ وعدہ ان متعین بزرگوں میں منحصر کردیا جن کے بارے میں ارشاد ہے کہ (تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے اچھے عمل کیے ان کو ضرور زمین میں حاکم بنا دیگا) پھر یہ خبر اسی طرح پوری ہو کر رہی جس طرح ان کے بارے میں اطلاع دی گئی تھی۔

وفيه الدلالة على صحة امامة الخلفاء الاربعة أيضًا لان الله استخلفهم في الارض ومكن لهم كما جاء الوعد ولا يدخل فيهم معاوية لانه لم يكن مؤمنا في ذلك الوقت (۱)

نیز اس آیت میں چاروں خلفاء کی امامت کے صحیح ہونے کی بھی دلیل ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے ان کو ملک میں حاکم بنایا اور اپنے وعدہ کے مطابق ان کو اقتدار نصیب کیا۔ البتہ معاویہؓ ان میں داخل نہیں

(۱) احکام القرآن ج ۳ ص ۳۰۵ و ۳۰۶

کیونکہ وہ اس وقت (جب یہ آیت اتری) مشرف بایمان ہی نہیں ہوئے تھے

امام جصّاصؒ کے بعد بعینہٖ یہی بات امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقیؒ المتوفی ۴۵۸ھ نے اپنی کتاب "الاعتقاد علی مذہب السلف اھل السنۃ والجماعۃ" میں کہی ہے۔ فرماتے ہیں:

وقد دل کتاب اللہ عزّ وجلّ علی امامۃ ابی بکر ومن بعدہ من الخلفاء قال اللہ عزوجل وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى وقال: اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔ فلمّا وجدت ھٰذہ الصفۃ من الاستخلاف والتمکین فی امر ابی بکر وعمر وعثمان وعلی دلّ علی أنّ

کتاب اللہ حضرت ابوبکر اور ان کے بعد کے خلفاء کی خلافت پر دلالت کر رہی ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے (اللہ نے وعدہ کر لیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے اور جنھوں نے اچھے کام کیے کہ ان کو ضرور حاکم کر دے گا ملک میں جیسے کہ ان سے پہلے لوگوں کو حاکم کر چکا ہے۔ اور اس دین کو ضرور اقتدار عطا کرے گا جس کو ان کے لیے اس نے پسند فرمایا ہے) نیز ارشاد ہے: (یہی لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں اقتدار عطا کریں تو یہ نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں) اب جب خلافت و اقتدار کی یہ صفت حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالے عنہم اجمعین کی امارت میں پائی گئی

خلافتھم حق (۱)

تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان حضرات کی خلافت حق ہے۔

بہرحال یہ چاروں حضرات وہ ہیں جن کی خلافت، خلافتِ نبوت ہے اور اس بارے میں اہل سنت میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور ان میں باہم فضیلت میں بھی وہی ترتیب ہے جس ترتیب سے یہ حضرات خلافت پر فائز ہوئے ہیں اور اس اعتبار سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے بعد امت میں سب سے افضل ہیں اور وہ ان حضرات کے بعد سب سے زیادہ خلافت کے حقدار تھے۔ حافظ ابن تیمیہ "منہاج السنۃ" میں لکھتے ہیں

وعلیؓ احق الناس بالخلافۃ فی زمنہ بلاریب عند احد من العلماء (۲)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے عہدِ خلافت میں سب لوگوں سے زیادہ خلافت کے مستحق تھے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کے تسلیم کرنے میں کسی ایک عالم کو بھی شک نہیں ہے۔

اسی لئے امام احمد اور دوسرے اکابر علماء کا قول ہے کہ

من لم یُربّع بعلیؓ فی الخلافۃ فھو اضل من حمار اھلہ (۳)

جو حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو چوتھا خلیفہ نہ مانے وہ اپنے گھر کے گدھے سے زیادہ گم کردہ راہ ہے۔

اور امام ممدوح ہی کا ارشاد ہے:

ان الخلافۃ لم تزیّن علیًّا

خلافت نے حضرت علی کو زینت نہیں دی

---

(۱) ص ۱۷۳ طبع مصر ۱۳۲۹ھ (۲ و ۳) ملاحظہ ہو "منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ" ج ۴ ص ۲۰۸ طبع امیریہ بولاق مصر ۱۳۲۲ھ

بل علی زینها۔ (۱) بلکہ حضرت علی نے خلافت کو زینت بخشی ہے، کرم اللہ وجہہ۔

اور حافظ جلال الدین سیوطی "تاریخ الخلفاء" میں ناقل ہیں:

واخرج البیهقی و ابن عساکر عن ابراهیم بن سوید الارمنی قال: قلتُ لأحمد بن حنبل: من الخلفاء؟ قال: ابوبکر وعمر، و عثمان، و علی۔ قلت: ومعاویة؟ قال: لم یکن احق بالخلافة فی زمان علی من علیؓ۔ (۲)

امام بیہقی اور حافظ ابن عساکر ابراہیم بن سوید ارمنی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے عرض کیا کہ خلفاء کون سے حضرات ہیں؟ فرمایا ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ تعالےٰ عنہم۔ میں نے عرض کیا اور معاویہ؟ فرمایا: علی کے عہد خلافت میں علی سے زیادہ کوئی اس کا مستحق نہیں تھا۔

حضرت علی اور حضرت معاویہ کے بارے میں امام احمد بن حنبل کی جو رائے آپ نے معلوم کی اس کی مزید تفصیل آپ کو اس روایت میں ملیگی جس کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے کہ:

اخرج ابن الجوزی من طریق عبد الله بن احمد بن حنبل سألتُ أبی ماتقول فی علی و معاویة؟ فاطرق، ثم قال: اعلم أن علیًّا کان کثیر الأعداء ففتش اعداءه له عیبًا فلم یجدوا فعمدوا الی رجل قد حاربه فأطروه کیادًا منهم لعلیؓ۔ (۱)

حافظ ابن جوزی نے بسند عبد اللہ بن احمد بن حنبل نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے والدِ محترم امام احمد سے علی و معاویہ کے بارے میں دریافت کیا کہ ان دونوں کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں تو آپنے سر جھکا لیا پھر فرمایا: یاد رکھو حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دشمن بہت تھے ان دشمنوں نے حضرت کے عیب بہت تلاش کیے، ہار جھک مار کر جب کچھ نہ مل سکا تو پھر یہ چال چلی کہ جس شخص نے آپ سے جنگ کی اس کو حد سے بڑھانے چڑھانے لگے۔

(۱) تاریخ بغداد، از حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی ج ۱ ص ۱۴۵ طبع بیروت

(۲) تاریخ الخلفاء، ص ۱۹۹ شائع کردہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی

امام ممدوح نے دشمنانِ علی کے جس کید کی نشاندہی کی ہے یہی "فتنۂ ناصبیت" ہے جس کے ذکر سے رجال کی کتابیں بھری پڑی ہیں، نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ فتنۂ خوابیدہ اس دور میں پھر بیدار ہو چلا ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

الفتنة نائمة لعن الله من ایقظها۔ (۲)

فتنہ خوابیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو جو اس کو بیدار کرے۔

جس طرح حضرات شیخین حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مقابل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لانا اور ان حضرات پر ان کو فضیلت دینا اہل سنت کے نزدیک بدعتِ مذمومہ ہے جس کو "تشیّع" کہا جاتا ہے، اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابل حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو کھڑا کرنا ان کے تعریفوں کے گن گانا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ان کو

(۱) فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۷، ص ۸۱ طبع امیریہ بولاق مصر ۱۳۰۱ھ اسی روایت کو حافظ سیوطیؒ نے "تاریخ الخلفاء" میں حافظ سلفی کی "طیوریات" کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ (ص ۱۹۹) (۲) رواہ الرافعی فی امالیہ۔ ملاحظہ ہو "کشف الخفاء و مزیل الالباس" ج ۲ ص ۱۰۸ طبع بیروت ۱۳۰۲ھ

فضیلت دینا "تشیع" سے زیادہ بُری بدعت ہے (۱) جس کو "ناصبیت" کہا جاتا ہے۔

افسوس ہے کہ اب سُنیوں کی نئی نسل میں عربی مدارس کے نوخیز لڑکے اس فتنہ کا شکار ہو رہے ہیں جس کی سب سے بڑی وجہ ان کی علمی استعداد کی ناپختگی ہے۔ نہ فقہ سے ان کو کما حقہ واقفیت حاصل ہوتی ہے، نہ حدیث سے، نہ علم کلام سے نہ تاریخ سے۔ اردو میں جو کوئی دین بیزار، اس فتنہ کو ذرا بنا سنوار کر پیش کر دیتا ہے بس یہ اس کے ہو جاتے ہیں۔ اب ان لوگوں کی جرأت یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ یہ ناصبی، اہل علم کے منہ آتے ہیں۔ چند سال پہلے ایک صاحب نے یزید علیہ ما علیہ کے متعلق بارہ[۱۲] سوال نقل کر کے مدرسہ عربیہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے دارالافتاء میں بھیجے تھے جن کے جوابات ہم نے نہایت تفصیل سے اپنی کتاب "یزید کی شخصیت اہل سنّت کی نظر میں" قلمبند کر دیئے ہیں۔ یہ کتاب بارہا چھپ چکی ہے۔ اب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں چند شبہات پیش کیے گئے ہیں جن کے جواب میں پیش نظر رسالہ تحریر کیا گیا ہے۔ ناظرین اس تحریر کو ذرا غور اور توجہ سے ملاحظہ فرمائیں۔ مجھے فرصت کم ملتی ہے، بوڑھا ہو چکا، عمر اسّی سے متجاوز ہے، درس کی ذمہ داری الگ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بدعت کا قلع قمع کرنے کے لیے اپنے کسی اور بندہ کو کھڑا کرے اور عام مسلمانوں کو اس فتنہ کی آفت سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

سب سے اول یہ امر غور طلب ہے، کہ اسلام میں فرقِ مراتب کا بڑا لحاظ رکھا گیا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے ع گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی۔ امام مسلمؒ اپنی

(۱) "رفض" سے نہیں کہ وہ سبِّ صحابہؓ پر مشتمل ہے جو کفّار کا شیوہ ہے

"صحیح" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها انها قالت أمرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ان ننزل الناس منازلهم۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہم لوگوں کو اپنے اپنے مرتبہ پر رکھیں۔

یعنی ہر ایک کے مرتبے کا اس کی حیثیت کے مطابق لحاظ رکھا جائے۔ اور امام بخاریؒ نے "الجامع الصحیح" کی کتاب التفسیر میں سورۃ الاعراف میں حسب ذیل روایت کی ہے۔

ابو ادریس الخولانیؒ قال: سمعتُ ابا الدرداءِ یقول کانت بین ابی بکر وعمر محاورة فأغضب ابو بکر عمرَ فانصرف عنه عمر مُغضَباً فاتبعه ابو بکر یسئله أن یستغفر له فلم یفعل حتی أغلق بابه فی وجهه، فاقبل ابو بکر الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال ابو الدرداء ونحن عنده فقال

ابو ادریس خولانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سُنا فرماتے تھے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین کچھ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی بات پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ دلایا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے غصّہ ہو کر چل پڑے اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پیچھے پیچھے ہو لئے اور درخواست کرنے لگے کہ وہ ان کے حق میں استغفار کریں لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا نہ کیا حتی کہ ان کے سامنے آنے پر اپنا

رسول الله صلی الله علیه وسلم
اما صاحبکم هذا فقد
غامر. قال وندم عمر
علی ما کان منه فاقبل
حتی سلم وجلس الی النبی
صلی الله علیه وسلم وقص
علی رسول الله صلی الله علیه
وسلم الخبر. قال ابوالدرداء
وغضب رسول الله صلی الله
علیه وسلم وجعل
ابو بکر یقول والله یا
رسول الله لانا کنت
اظلم. فقال رسول الله
صلی الله علیه وسلم
هل انتم تارکوا لی
صاحبی؟ هل انتم
تارکوا لی صاحبی؟ انی
قلت یایها الناس
انی رسول الله الیکم
جمیعا فقلتم کذبت
وقال ابو بکر صدقت

دروازہ بھی بند کر دیا۔ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخ کیا
حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے
کہ ہم اس وقت خدمتِ نبوی میں حاضر تھے۔ آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ان کو آتے دیکھا تو) فرمایا
تمہارے ان صاحب کا کسی سے جھگڑا ہو گیا ہے
ابودرداء کا بیان ہے کہ (ادھر) حضرت
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اپنے اس طرزِ عمل پر
ندامت ہوئی تو فوراً دربارِ نبوی میں حاضر ہوئے
اور سلام کر کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی ایک جانب بیٹھ گئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کو صورتِ واقعہ عرض کی۔ حضرت
ابودرداء کا بیان ہے (یہ سن کر) جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت غصہ ہو گئے
حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ برابر
عرض کرتے جاتے تھے یا رسول اللہ قسم بخدا
میں نے ہی زیادہ بیجا کہا۔ تاہم حضور صلی اللہ
علیہ وسلم یہی فرماتے رہے کیا تم میرے لئے
میرے دوست کو چھوڑ سکتے ہو؟ (یاد کرو اس
وقت کو جب) میں نے کہا تھا اے لوگو یقیناً
میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں
اور تم نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے اور ابوبکر نے کہا
آپ سچ فرماتے ہیں۔

اور یہی روایت امام بخاریؒ نے اپنی "صحیح" میں دوسری جگہ "کتاب المناقب"
میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کو بیان کرتے ہوئے ان الفاظ میں
نقل کی ہے:

عن ابی الدرداء قال کنت
جالسا عند النبی صلی الله علیه
وسلم اذ اقبل ابو بکر آخذا
بطرف ثوبه حتی ابدی
عن رکبته فقال النبی
صلی الله علیه وسلم اما
صاحبکم فقد غامر فسلم
وقال انی کان بینی وبین
عمر بن الخطاب شیء
فاسرعت الیه ثم ندمت
فسألته ان یغفر لی فابی
علیّ ذلک فاقبلت
الیک فقال یغفر الله
لک یا ابا بکر ثلاثا
ثم ان عمر ندم
فاتی منزل ابی بکر فسأل
أثَمّ ابو بکر قالوا لا
فاتی النبی صلی الله علیه وسلم

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
مروی ہے کہ میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی خدمت اقدس میں بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے
میں سامنے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ
عنہ نمودار ہوئے، وہ اپنے کپڑے کا ایک
کنارہ اس طرح اٹھائے ہوئے تھا جس سے
ان کا ایک گھٹنہ بھی ظاہر ہو رہا تھا (یہ دیکھ کر)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے
ان صاحب کا تو کسی سے جھگڑا ہو گیا ہے
اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
آکر سلام کیا اور عرض کیا کہ میرے اور عمر بن
خطاب کے درمیان کچھ بات ہو گئی اور میں نے
ان سے کچھ تیز گفتگو کی پھر مجھے اس پر ندامت
ہوئی تو میں نے ان سے درخواست کی کہ مجھے
معاف کر دیں مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا اب
میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں آپ
نے فرمایا اے ابوبکر اللہ تعالیٰ تم کو معاف فرمائے
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہی الفاظ تین

فجعل وجه النبي صلى الله
عليه وسلم يتمعّر حتى
اشفق ابوبكر فجثا
على ركبتيه فقال
يا رسول الله و الله انا
كنتُ أظلمَ فقال النبي
صلى الله عليه وسلم
ان الله بعثني اليكم
فقلتم كذبتَ وقال
ابوبكر صدق وواساني
بنفسه وماله فهل انتم
تاركوا لي صاحبي مرتين
فما أوذي بعدها.

تین مرتبہ فرمائے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی (اس پر) ندامت ہوئی تو انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر جاکر دریافت کیا، کیا یہاں ابوبکر ہیں؟ اہل خانہ نے بتایا نہیں۔ پھر وہ بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے (ان کو دیکھ کر) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخِ انور متغیر ہونے لگا تاآنکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اندیشہ ہوا اور اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ قسم بخدا زیادتی میری ہی تھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل نے مجھے تمہاری طرف مبعوث فرمایا تو تم سب کہنے لگے تو جھوٹا ہے، اور ابوبکر نے کہا آپ سچے ہیں اور اپنی جان اور مال سے میری خبرگیری کی تو کیا اب تم میرے دوست کو میری وجہ سے (ستانے سے) چھوڑ سکتے ہو؟ یہ آپ نے دوبار ارشاد فرمایا اس واقعہ کے بعد پھر کبھی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذیت نہیں دی گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اُمت میں جو مقام ہے وہ ذہن میں رکھیے اور پھر غور کیجیے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالتِ شان کے پیش نظر اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ذرا سا فرق آیا تو (حالانکہ حضرت ا[illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم کھاکر کہتے جاتے ہیں کہ زیادتی مجھ سے ہی ہوئی ہے مگر) بارگاہ رسالت علیٰ

صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے کیسی سخت سرزنش حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جیسی ہستی کو ہوتی ہے۔

حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح اس وصفِ خاص میں ممتاز ہیں کہ ان کا شمار ان معدودے چند افراد میں ہے جنھوں نے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا اور شرف بایمان ہوئے۔
امام جلال الدین سیوطی "تاریخ الخلفاء" میں رقمطراز ہیں:

وجمع بين الأقوال بان
ابابكر أول من أسلم
من الرجال، وعلى اوّل
من اسلم من الصبيان
وخديجة اول من
أسلمت من النساء۔ واوّل
من ذكر هذا الجمع الامام
ابوحنيفة رحمه الله۔
(ص ۱۴)

ان تمام اقوال میں (جو اس بارے میں منقول ہیں کہ سب سے پہلے کون شرف باسلام ہوا)۔ اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے اور بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور عورتوں میں سب سے پہلے حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ اور سب سے پہلے یہ تطبیق جس نے بیان کی وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالےٰ ہیں۔

اب سوچیے جو لوگ فتح مکہ میں ایمان لائے وہ جناب مرتضوی کے مقابل کس طرح لائے جاسکتے ہیں؟ اسی طرح حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی جلالت شان سے کون مسلمان ناواقف ہے مگر ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شان میں ان سے کچھ گستاخی ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں

جوارشاد فرمایا۔ وہ "صحیح مسلم" میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی بایں الفاظ مروی ہے:

كان بين خالد بن الوليد وبين عبد الرحمٰن بن عوف شئ فسبّه خالد فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتسبّوا أحدًا من اصحابي فان أحدكم لو انفق مثل أحد ذهبًا ما ادرك مُدّ احدهم ولا نصيفه (۱)

حضرت خالد بن ولید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے آپس میں کوئی بات ہوگئی اور خالد نے آپ کو برا بھلا کہا اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے کسی صحابی کو بُرا نہ کہو کیونکہ تم میں سے اگر کوئی شخص کوہِ اُحد کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو وہ ان میں سے کسی صحابی کے ایک مُدّ بلکہ آدھے مُد (غلّہ) کو بھی نہیں پا سکتا۔

یاد رہے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابقین اولین میں ہیں اور ان کا شمار عشرہ مبشرہ یعنی ان دس حضرات میں ہے جن کو جیتے جی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کی خوش خبری دیدی تھی۔ کسی فارسی شاعر نے ان دس حضرات کے اسماء گرامی کو حسب ذیل قطعہ میں درج کر دیا ہے

دہ یار بہشتی اند قطعی — بوبکر و عمر، عثمان و علی
طلحہ ست و زبیر و عبدالرحمٰن — سعد است و سعید و بوعبیدہ

یعنی دس اصحاب قطعی بہشتی ہیں (۱) ابوبکر (۲) عمر (۳) عثمان (۴) علی (۵) طلحہ (۶) زبیر (۷) عبدالرحمٰن بن عوف (۸) سعد بن ابی وقاص (۹) سعید بن زید اور (۱۰) ابو عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

"مُدّ" (میم پر پیش اور دال پر تشدید کے ساتھ) ایک پیمانہ کا نام ہے جس میں غلّہ بھر کر دیا کرتے تھے۔ اور اسی سے صدقہ فطر وغیرہ ادا کیا کرتے تھے۔ اسکا

(۱) صحیح مسلم ص ۳۱۰ ج ۲ طبع مجتبائی دہلی کتاب الفضائل،

وزن دو رطل ہے۔ اور امام احمد کی کتاب "فضائل الصحابہ" میں اس روایت کے یہ الفاظ ہیں۔

عن عامر قال شكا عبد الرحمٰن بن عوف خالد بن الوليد الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا خالد مالك ولرجل من المهاجرين لو انفقت مثل أحد ذهبًا لم تدرك عمله (۱)

عامر شعبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں خالد بن ولید کی شکایت کی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "تمھیں ایک مہاجر شخص سے اَڑنے کی کیا پڑی تھی یاد رکھو اگر تم کوہ اُحد کے برابر بھی سونا راہِ خدا میں خرچ کرو تو ان کے عمل کو نہیں پہنچ سکتے۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور امام احمد کی ان روایات کو سامنے رکھ کر آپ خود فیصلہ کیجئے کہ کہاں حضرت مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور کہاں جناب معاویہ رضی اللہ عنہ۔ ان دونوں کے مرتبوں میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے "تقریب التہذیب" میں تصریح کی ہے:

عليّ ابن ابي طالب بن عبد المطلب بن هاشم الهاشمي ابن عم رسول الله صلى الله عليه وسلم، وزوج ابنته، من السابقين الاولين، ورجح جمع انه اول من اسلم، وهو احد العشرة، مات في رمضان سنة اربعين،

علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم ہاشمی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر عمزاد، آپ کی صاحبزادی محترمہ کے شوہر، حضرات سابقین اولین میں ہیں۔ اہل علم کی ایک جماعت نے اسی بات کو ترجیح دی ہے کہ امت میں سب سے پہلے آپ ہی اسلام لائے، جن دس محترم افراد کو ایک ساتھ جیتے جی جنت کی بشارت ملی ان میں سے ایک آپ بھی ہیں۔ ماہ رمضان ۴۰ھ ہجری میں آپ کی

وھو یومئذ افضل الاحیاء من بنی ادم بالارض باجماع اھل السنة و لہ ثلث و ستون علی الارجح . ع .

وفات ہوئی، تمام اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ اپنے عہدِ خلافت میں روئے زمین پر جتنے بھی انسان موجود تھے آپ ان سب سے افضل تھے۔ راجح قول کے مطابق آپ کی عمر شریف تریسٹھ سال کی ہوئی۔

صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں آپ کی حدیثیں موجود ہیں ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ باتفاقِ امت فضیلت میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھے ہوئے ہیں ۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درجہ و منزلت میں کہیں پیچھے ہیں۔ بایں ہمہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے "البدایة والنہایہ" میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلامذہ میں بڑے امام، محدث، فقیہ، زاہد اور مجتہد گزرے ہیں - حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالتِ شان کے بارے میں نقل کیا ہے کہ جناب ممدوح سے جب ایک بار یہ سوال کیا گیا کہ

ایھما افضل ؟ ھو او عمر بن عبدالعزیز ؟ فقال لتراب فی منخری معاویة مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر وافضل من عمر بن عبدالعزیز . (۱)

ان دونوں حضرات میں کون صاحب افضل ہیں حضرت معاویہ یا حضرت عمر بن عبدالعزیز (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) تو آپ نے فرمایا یقیناً جو خاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں نتھنوں میں پڑی وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہیں بہتر اور افضل ہے۔

---

(۱) ج ۸- ص ۱۴۲ طبع بیروت ۔

یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ بزرگ ہیں جن کو قرنِ اول کا مجدد مانا جاتا ہے۔ اور جن کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے کہ

وعدل عمر بن عبدالعزیز أظهر من عدل معاویة وھو أزھد من معاویة (۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عدل حضرت معاویہ کے عدل سے زیادہ آشکار ہے۔ اور وہ معاویہ سے زہد میں کہیں بڑھے ہوئے تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

یہ بھی واضح رہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا شمار اہل سنت کے نزدیک خلفائے راشدین میں ہے۔ مؤرخِ اسلام حافظ ذہبی "سیر اعلام النبلاء" میں ان کے تذکرہ میں فرماتے ہیں :

« وکان من أئمة الاجتھاد ، ومن الخلفاء الراشدین »

اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے اپنی مشہور کتاب « البدایہ والنہایہ » میں لکھا ہے کہ

والسنة ان یقال لمعاویة ملك ، ولا یقال لہ خلیفة لحدیث سفینة « الخلافة بعدی ثلاثون سنة ثم تکون ملکا عضوضا » (۲)

اور سنت یہ ہے کہ معاویہ کو بادشاہ ہی کہا جائے ان کو خلیفہ نہ کہا جائے کیونکہ حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا « میرے بعد تیس سال تک تو خلافت رہے گی اور پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت ہو جائے گی »

---

(۱) منہاج السنة ج ۳ ص ۱۸۳ طبع اول بولاق مصر ۱۳۲۲ھ

(۲) ج ۸ ص ۱۳۷ و ۱۳۸ - طبع دار الکتب العلمیہ بیروت ۔

اور یہی بات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مشکوٰۃ کی مشہور شرح "اشعۃ اللمعات" میں حدیث دوازدہ خلفاء کی شرح کرتے ہوئے لکھی ہے، فرماتے ہیں:

ونیز در حدیثِ صحیح آمدہ کہ الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم یصیر ملکًا عضوضًا۔

اور حدیثِ صحیح میں بھی آیا ہے کہ "میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی پھر کاٹ کھانے والی بادشاہی ہو جائے گی"

اتفاق کردہ اند علماء برآنکہ بعد از سی سال خلفاء نیستند بلکہ ملوک و امراء اند۔ (۱)

اور علماء نے اتفاق کیا ہے کہ تیس سال کے بعد خلفاء نہیں بلکہ بادشاہ اور امراء تھے۔

یاد رہے اس حدیث میں جس خلافت کا ذکر آیا ہے وہ "خلافتِ کبریٰ" ہے جو "خلافتِ نبوت" کہلاتی ہے۔ ورنہ مجازاً تو عام فرمانرواؤں کو بھی خلفاء کہدیا کرتے ہیں۔ جیسے خلفاء امویہ اور خلفاء عباسیہ بلکہ ہندوستان کے بادشاہوں کو بھی خلیفہ لکھدیا کرتے تھے۔

حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ اور جناب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باہمی موازنہ میں یہ جسارت تو نہیں کر سکتے کہ جس طرح عبداللہ بن مبارک نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے متعلق اظہار خیال کیا ہے اسی طرح ہم بھی حضرت معاویہ کے متعلق کہدیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ابن مبارک کی اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر بلا مبالغہ یزید بن معاویہ اور اس کے ان اعوان و انصار کے متعلق جو اس کے مظالم و جرائم میں شریک رہے ہیں بغیر کسی شبہ کے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ پیشاب جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے مس ہوا ان کے وجود سے کہیں بہتر اور افضل ہے۔ کہ وہ جوانانِ جنت کے سردار ہیں اور یہ خبیث لعنت کے مستحق۔

---

(۱) ج ۴۔ ص ۶۲۰ طبع لکھنؤ مطبع تیج کمار ۱۹۶۳ء

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی عرض کیا جا سکتا ہے جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو عتاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "خالد اگر تم کوہِ احد کے برابر سونا راہِ خدا میں خرچ کرو تو عبدالرحمٰن بن عوف کے ایک مُدِ غلّہ بلکہ آدھے مد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا"، اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی بڑا سے بڑا عمل بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے سے چھوٹے عمل کے پاسنگ بھی نہیں ہو سکتا۔

یاد رکھیے! حضرت علی کرم اللہ وجہہ باتفاقِ امت خلیفہ راشد ہیں۔

چنانچہ امام ابوبکر احمد بن علی جصاص "احکام القرآن"، باب قتال اہل البغی، میں فرماتے ہیں:

قاتل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ الفئۃ الباغیۃ بالسیف ومعہ من کبراء الصحابۃ وأهل بدر من قد علم مکانهم، وکان محقًّا فی قتاله لهم لم یخالف فیه أحد الا الفئۃ الباغیۃ التی قاتلته واتباعها. وقال النبی صلی الله علیه وسلم لعمار تقتلك الفئۃ الباغیۃ وهٰذا خبر مقبول من طریق التواتر حتی ان معاویۃ

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باغی جماعت سے بزورِ شمشیر قتال فرمایا آپ کے ساتھ ایسے ایسے اکابر صحابہ اور اہلِ بدر تھے کہ جن کی منزلت معلوم ہے۔ اور آپ ان باغیوں سے قتال کرنے میں حق پر تھے، اور اس مسئلہ میں سوائے اس باغی جماعت اور ان کے پیرووں کے کہ جو آپ سے لڑ رہی تھی کوئی ایک شخص بھی آپ کے خلاف نہ تھا۔ اور آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو فرما دیا کہ "تم کو باغی جماعت قتل کرے گی" یہ اتنی مقبول حدیث ہے کہ جو بطریق تواتر وارد ہے حتیٰ کہ خود معاویہ بھی جب ان کو

لم يقدر على جحده لما قال له عبد الله بن عمرو، فقال انما قتله من جاء به فطرحه بين أسنتنا رواه أهل الكوفة وأهل البصرة وأهل الحجاز وأهل الشام، وهو علم من أعلام النبوة لانه خبر من غيب لايعلم إلا من جهة علام الغيوب. (۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث بیان کی تو اس کا انکار نہ کر سکے بلکہ یوں بات بنائی کہ (ہم نے ان کو تھوڑی قتل کیا ہے بلکہ) ان کو تو اس نے قتل کیا ہے جس نے عمار کو لاکر ہماری سنانوں کے درمیان ڈال دیا۔ (۲)

یہ وہ حدیث ہے جس کو اہل کوفہ، اہل بصرہ اہل حجاز اور اہل شام نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث نبوت کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے، کیونکہ یہ غیب کی خبر ہے جس کا علم، علام الغیوب کے بتائے بغیر نہیں ہو سکتا۔

امام جصاص نے جو کچھ فرمایا وہی امام بیہقی فرماتے ہیں کہ:

وأما خروج من خرج على أمير المؤمنين رضي الله عنه مع أهل الشام في طلب دم عثمان ثم منازعته ايله في الامارة

اور جس نے بھی اہل شام کے ساتھ مل کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصاص طلب کرنے کے لئے حضرت امیر المؤمنین (علی) پر خروج کیا۔ اور پھر آپ سے امارت کے باب

(۱) ج ۳ ص ۲۹۲ طبع مصر ۱۳۴۷ھ

(۲) حضرت مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے سامنے ایسی لوچ پوچ تاویل کی کیا وقعت ہو سکتی تھی۔ آپ نے جب یہ سنا تو فرمایا اچھا تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل خود حضرت رسالت مآب ٹھیرے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

فانه غير مصيب فيما فعل واستدلنا ببراءة علي من قتل عثمان بما جرى له من البيعة ولما كانت له من السابقة في الاسلام والهجرة والجهاد في سبيل الله والفضائل الكثيرة والمناقب الجمة التي هي معلومة عند أهل المعرفة.

میں نزاع کی تو وہ اپنے اس فعل میں برسر خطا تھا۔ اور قتل عثمان سے حضرت علی کی برأت کے باب میں ہمارا استدلال یہ ہے کہ آپ نے حضرت عثمان سے بیعت کرلی تھی اور اسلام اور جہاد فی سبیل اللہ کے باب میں آپ سوابق کے حامل ہیں آپ کے فضائل اور مناقب بہت ہیں جو اہل علم کو معلوم ہیں۔

ان الذي خرج عليه ونازعه كان باغيا عليه وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد أخبر عمار بن ياسر بأن الفئة الباغية تقتله فقتله هؤلاء الذين خرجوا على أمير المؤمنين علي رضي الله عنه في حرب صفين (۱)

جس شخص نے بھی آپ کے خلاف خروج کیا اور آپ سے نزاع کی وہ باغی ہے۔ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلے ہی خبر دیدی تھی کہ "باغی جماعت ان کو قتل کرے گی"۔ چنانچہ جنگ صفین میں جن لوگوں نے حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا۔ انہوں نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کردیا۔

اور اس کے بعد حدیث کے مشہور امام ابن خزیمہ سے بسند ناقل ہیں کہ

خير الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأولاهم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے زیادہ بزرگ اور خلافت کے لئے سب سے

(۱) ملاحظہ ہو "الاعتقاد على مذهب السلف اهل السنة والجماعة" از امام بیہقی ص ۱۹۶ طبع مصر ۱۳۷۹ھ

بالخلافة ابوبکر الصدیق ثم عمر الفاروق ثم عثمان ذی النورین ثم علی بن أبی طالب رحمة الله و رضوانه علیهم اجمعین.

زیادہ اولیٰ حضرت ابوبکر صدیق تھے پھر حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمان ذی النورین، پھر حضرت علی بن ابی طالب۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات سے راضی ہو اور اپنی رحمتیں ان پر نازل فرمائے۔

قال وکل من نازع امیر المؤمنین علی ابن طالب فی امارته فهو باغ. علی هذا عهدت مشایخنا - و به قال ابن ادریس الشافعی رحمه الله.

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں۔ جس نے بھی حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے ان کی امارت کے بارے میں جھگڑا کیا وہ باغی ہے۔ اسی عقیدہ پر ہم نے اپنے مشایخ کو پایا ہے، اور یہی ابن ادریس یعنی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے

قال الشیخ ثم لم یخرج من خرج علیه من الاسلام (۱)

امام حاکم نیشاپوری نے اپنی مشہور کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" میں علم حدیث کی تیئسویں نوع میں جس میں احادیثِ مشہورہ کا بیان ہے۔ حدیث تقتل عمارًا الفئة الباغیة کو ان مشہور احادیث میں شمار کیا ہے جن کی "صحیحین" میں تخریج کی گئی ہے۔

یہ عقیدہ صرف امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نہیں بلکہ تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا ہے۔ جس کا ذکر کتاب میں ہو چکا ہے۔

اب ہم اس سلسلہ میں فقہ حنفی کے چند مشہور جلیل القدر علماء کرام کی تصریحات پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

---

(۱) "الاعتقاد علی مذہب السلف اہل السنۃ والجماعۃ" از امام بیہقی ص ۱۹۶ و ۱۹۷

علامہ صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبد العزیز بن عمر بن مازہ المتوفی ۵۳۶ھ (جو صاحب "ہدایہ" کے استاد ہیں اور جن کے بارے میں علامہ محمود بن سلیمان کفوی نے طبقات الحنفیہ میں تصریح کی ہے کہ "کان من کبار الائمة واعیان الفقهاء" (وہ بڑے ائمہ اور زبردست فقہاء میں تھے) اپنی کتاب "شرح ادب القاضی للخصاف" میں زیرِ عنوان "بیان من یجوز تقلد القضاء منه" یعنی کس فرمانروا سے عہدۂ قضاء قبول کرنا جائز ہے، فرماتے ہیں:

واما بیان من یجوز تقلد القضاء منه، فیجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر جمیعًا.

اور اس بات کا بیان کہ کس فرمانروا سے عہدۂ قضا قبول کرنا جائز ہے، یہ ہے کہ سلطان عادل ہو یا غیر عادل (جور کرنے والا) دونوں سے عہدۂ قضا قبول کرنا جائز ہے۔

اما العادل فان النبی صلی الله علیه وسلم بعث معاذًا الی الیمن قاضیًا، وولی عتاب بن اسید امیرًا علی مکة.

سلطانِ عادل سے تو اس بنا پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ معظمہ کا امیر بنایا تھا۔

وأما الجائر فان الصحابة تقلدوا الاعمال عن معاویة بعدما أظهر الخلاف مع علی فی نوبته. لکن انما یجوز تقلد القضاء من السلطان الجائر

اور سلطانِ جائر سے اس لئے کہ صحابہؓ نے حضرت معاویہؓ سے عہدوں کو قبول کیا حالانکہ ان کی مخالفت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ظاہر ہو چکی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں حق پر تھے۔
لیکن سلطان غیر عادل کا قاضی بنانا صرف اسی صورت میں جائز ہے جبکہ قاضی کو حق کے

اذا کان یمکنه من القضاء بحق. وأما إذا کان لا یمکنه فلا. لما روی عن الحکم بن عمرو الغفاری أنه أتاه کتاب معاویة وکان فیه ان أمیر المؤمنین یامرك أن تصطفی له الصفراء والبیضاء. فقال سبق کتاب الله کتاب أمیر المومنین معاویة، و تلا قوله تعالیٰ "وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ" الآیه ثم صعد المنبر وقال یاایها الناس لقد اتانی کتاب امیر المومنین وقد امرنی أن اصطفی له الصفراء والبیضاء، وقد سبق کتاب الله تعالیٰ کتاب معاویة، وانی قاسم لکم ما أفاء الله علیکم الافلیقم کل واحد منکم فلیأخذ حقه

مطابق فیصلہ کرنا ممکن ہو اگر وہ حق کے مطابق فیصلہ نہ کرسکے تو اس صورت میں اس کا قاضی بننا ناجائز ہے، اس لئے کہ حکم بن عمرو غفاری سے روایت کیا گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خط ان کے پاس آیا جس میں یہ لکھا تھا کہ امیر المومنین آپ کو حکم دیتے ہیں اس بات کا کہ آپ سونا اور چاندی میرے لئے علیحدہ کرلیں۔ تو آپ (حکم بن عمرو) نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا حکم امیر المومنین کی حکم سے پہلے ہے اور آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: "وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ" الآیہ ترجمہ: "اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے ہے اس میں سے پانچواں حصہ" پھر آپ منبر پر چڑھ کر فرمانے لگے: لوگو! امیر المومنین کا خط میرے پاس آیا ہے اور اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ سونا اور چاندی میرے لئے علیحدہ کرلے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل معاویہ کے حکم کی تعمیل سے پہلے ہے اور اب میں تمہارے لئے اللہ نے جو مالِ غنیمت عطا کیا ہے تقسیم کرتا ہوں لہٰذا ہر شخص تم میں سے کھڑا ہو کر اپنا حق وصول کرلے۔ پھر اس کے بعد دعا کی، یا اللہ

ثم قال اللّٰھم اقبضنی الیك فما عاش بعد ذلك الا قلیلاً. (۱)

مجھے اپنے طرف اٹھالے۔ چنانچہ اس کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں ان کی وفات ہوگئی۔

ملاحظہ فرمائیے امام ابن مازہ نے جناب معاویہ کو عہد مرتضوی میں "امام جائر" قرار دیا ہے کیونکہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اپنے عہدِ خلافت میں خلیفہ راشد تھے اور ان سے بغاوت کرنا جرم تھا اور امام جائر سے عہدہ قضا کا قبول کرنا اگرچہ جائز ہے تاکہ احکام شرع کا رعیت میں نفاذ ہوتا رہے لیکن یہ جواز بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ فرمانروا اگر کسی غلط کام کا حکم دے تو اس کی تعمیل نہ کی جائے جیسا کہ حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا۔ اور اگر حاکم کا یہی وتیرہ رہے تو پھر اس کا قاضی بننا جائز نہیں۔

اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب "ہدایہ" میں ہے:

یجوز التقلد من السلطان الجائر کما یجوز من العادل لأن الصحابة رضی الله عنهم تقلدوا من معاویة والحق کان بید علی رضی الله عنه فی نوبته.

جائز ہے عہدۂ قضا قبول کرنا سلطان غیر عادل سے جیسا کہ بادشاہ عادل سے قبول کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے منصبِ قضا کو قبول کیا تھا حالانکہ ان کے زمانہ خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ برسرِحق تھے۔

"ہدایہ" کی اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے علامہ محقق ابن الہمام نے

---

(۱) شرح ادب القاضی للخصاف ج ۱ ص ۱۲۹ تاغایت ۱۳۲ طبع اول مطبع الارشاد مصر ۱۳۹۷ھ

صاف لکھ دیا ہے کہ ھذا تصریح بجور معاویۃ یہ معاویہ کے سلطانِ جائر ہونے کی صراحت ہے۔

اور صاحبِ ہدایہ نے جو فی نوبتہ کہا ہے اس کی شرح کرتے ہوئے محقق ممدوح فرماتے ہیں

انما کان الحق معہ فی تلک النوبۃ لصحۃ بیعتہ و انعقادھا فکان علی علی الحق فی قتال اھل الجمل وقتال معاویۃ فی صفین. وقولہ علیہ السلام لعمار ستقتلک الفئۃ الباغیۃ وقد قتلہ اصحاب معاویۃ یصرح بانھم بغاۃ۔ (۱)

حضرت علی کے عہد خلافت میں حضرت علیؓ ہی برسر حق تھے کیونکہ حضرت علیؓ سے بیعت صحیح تھی اور منعقد ہو گئی تھی لہٰذا حضرت علی اہلِ جمل اور اہل صفین سے جنگ میں برسرِ حق تھے۔ اور حضور علیہ السلام نے حضرت عمارؓ سے ارشاد فرمایا تھا کہ تمہیں عنقریب باغی جماعت قتل کرے گی چنانچہ حضرت معاویہؓ کے لشکر نے انہیں قتل کیا، یہ حدیث بتاتی ہے کہ جو لوگ حضرت علی سے برسرِ جنگ تھے وہ باغی تھے۔

اور شیخ الاسلام بدر الدین محمود عینیؒ "البنایہ فی شرح الھدایہ" میں فرماتے ہیں

وعند اھل السنۃ معاویۃ کان باغیًا فی نوبۃ علی رضی اللہ عنہ وبعدہ الی زمان ترک امیر المؤمنین حسن الخلافۃ الیہ۔ (۲)

اہل سنت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت معاویہؓ باغی ہی تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد جب تک امیر المومنین حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت ان کے سپرد نہ کی وہ باغی ہی رہے۔

(۱) ملاحظہ ہو ھدایہ اور اس کی شرح فتح القدیر "کتاب ادب القضاء"
(۲) البنایہ شرح الہدایہ بحث مذکور۔

اور امام صدر الاسلام سیف الدین ابو الیسر بزدوی (جو امام فخر الاسلام بزدوی کے بھائی ہیں) اپنی کتاب "اصول الدین" میں فرماتے ہیں:

قال اھل السنۃ والجماعۃ ان معاویۃ حال حیاۃ علی رضی اللہ عنہما لم یکن اماما، بل کان الامام والخلیفۃ علی، وکان علی الحق ومعاویۃ علی الباطل۔ (۱)

اہل سنت و جماعت اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ امام نہیں تھے بلکہ امام اور خلیفہ حضرت علیؓ تھے جو برسرِ حق تھے اور حضرت معاویہؓ حق پر نہ تھے۔

اور سرآمد علماء متاخرین شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ اپنی مشہور کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" میں رقم طراز ہیں:

ہر جاہل فارسی خوان بلکہ طفلِ دبستان کہ "عقائد نامہ" فارسی اہل سنت را کہ نظم مولانا نور الدین عبد الرحمٰن جامی است خواندہ یا دیدہ باشد یقین می داند کہ اہل سنت قاطبہ اجماع دارند بر آنکہ معاویہ بن ابی سفیان از ابتدائے امامت حضرت امیرؓ بغایت تفویض حضرت امام حسن باو از بغاۃ بود کہ اطاعت امام وقت

ہر فارسی خواں نادان بلکہ طفلِ مکتب بھی جس نے عقائد نامہ مولانا نور الدین جامی رحمہ اللہ کا پڑھا یا دیکھا ہے (جس میں اہل سنت کے عقائد کا بیان ہے) وہ یقینی طور پر جانتا ہے کہ سب اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت معاویہ ابن ابی سفیانؓ حضرت امیر المؤمنین علیؓ کی ابتدائے خلافت سے لیکر جب تک امام حسنؓ نے ان کو امامت تفویض نہیں کی وہ باغی تھے، کہ امام وقت کی اطاعت سے محروم رہے۔ اور حضرت حسنؓ کی

(۱) اصول الدین ص ۱۹۰ طبع قاہرہ ۱۳۸۳ھ

نداشت ، وبعد از تفویض حضرت امام بدو از ملوک شد (۱)

تفویض کے بعد ان کا شمار بادشاہوں میں ہیں .

یہ ہیں وہ تصریحات اکابر علماء اہل سنت کی کہ حضرت مرتضیٰ کرم اللہ تعالےٰ وجہہ اپنے زمانۂ خلافت میں از روے کتاب وسنت خلیفۂ راشد تھے اور حضرت معاویہ رضؓ باغی اور خطا پر تھے ۔

یاد رکھئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے تین جماعتوں نے جنگ کی ہے ۔

سب سے پہلے اہل جمل نے اس جماعت کے قائدین کو بر وقت اپنی غلطی پر تنبہ ہوا اور انہوں نے فوراً ہی اپنے موقف سے رجوع کیلیا یہی صدیقین کی شان ہے ۔ ان حضرات کرام کے بارے میں شرع کا فیصلہ یہ ہے کہ التائب من الذنب کمن لا ذنب له (جس نے گناہ سے توبہ کی وہ ایسا ہی ہے جیسے کہ اس نے گناہ ہی نہ کیا)

دوسری جماعت بغاۃ شام کی ہے جن کے بارے میں حدیثِ صحیح ومتواتر میں « فئۃ باغیہ » (باغی گروہ) کے الفاظ وارد ہیں .

تیسری جماعت خوارج کی ہے جن کے گمراہ ہونے میں اہل سنت کو کوئی شبہ نہیں ہے ۔

اب رہی یہ بات کہ حضرت مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ سے قتال کرنے والوں میں بعض صحابہ بھی تھے تو واضح رہے کہ خوارج کے جس گروہ نے آپ سے جنگ کی اس میں کوئی صحابی تو درکنار کوئی بزرگ تابعی بھی نہیں نظر آتا ۔ اسی طرح بغاۃ شام میں سابقین اولین میں سے کوئی صحابی نہ تھے ۔ اہل جمل میں بیشک

(۱) تحفہ اثنا عشریہ ص ۴۸۵ طبع نول کشور لکھنو ۱۳۰۲ھ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہم طبقہ بعض اکابر تھے لیکن ان حضرات نے جیسے ہی غلط فہمی دور ہوئی ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے موقف سے رجوع کرنے میں دیر نہ کی رضی اللہ عنہم اجمعین .

اس بحث کے آخر میں ہم یہ گزارش کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ صحابہ کے باہمی نزاع کا مسئلہ بڑا نازک ہے اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے ، حق کو حق کہنا اور صحیح بات کو صحیح سمجھنا تو ضروری ہے مگر کسی ادنیٰ صحابی کی بھی توہین کرنا اور اس پر طعن وتشنیع کرنا سرے سے ناجائز اور حرام ہے ۔ اگر اس دور میں ناصبیت کا فتنۂ خوابیدہ جو کم وبیش ہزار سال سے دبا ہوا تھا اگر نئے سرے سے سر نہ اٹھاتا تو ہمیں بھی اس بارے میں کچھ لکھنے کی ضرورت نہ تھی .

یاد رکھئے حضرات اہل سنت وجماعت جہاں اس امر کے قائل ہیں کہ حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنے عہد خلافت میں جتنی بھی جنگیں لڑیں ان میں وہ حق پر تھے اور ان سے لڑنے والے خطا پر ، وہاں ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا جب ذکر آئے خیر کے ساتھ ان کو یاد کریں گو وہ معصوم نہیں اور ان سے گناہ بھی سرزد ہو سکتا ہے اور غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں مگر ساری اولادِ آدم میں (انبیاء علیہم السلام کو چھوڑ کر کہ وہ سب برگزیدہ اور معصوم تھے) وہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کے مستحق ہیں ۔

محمد عبد الرشید نعمانی

۲۶ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ

چراغِ آلِ محمد ہمیشہ روشن باد

حافظ عبدالکریم

تاریخِ وفات عم محترم حافظ عبدالکریم صاحب جیپوری مرحوم ۱۱ شعبان ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۱ جولائی ۱۹۴۶ء

محترم مولانا صاحب دام ظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ طالب خیر مع الخیر ۔

یہ ایک ایسا خط ہے کہ جس کے اندر میں اپنی کم فہمی کے باعث چند خدشات پیش کر رہا ہوں اس سے نا تو آپ کی تحقیق پر تنقید مقصود ہے اور نہ ہی قاضی الامت حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ کی شانِ اقدس کے متعلق کوتاہ نظری کا تصور۔ صرف اور صرف جذبۂ حق شناسی کے پیش نظر عریضہ ارسال کر رہا ہوں ۔ اس وقت ماہنامہ "بینات" بابت ماہ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ مطابق نومبر ۱۹۸۲ء پیش نظر ہے۔ اس رسالہ میں آپ کا ایک طویل مکتوب محمد ظہور الاسلام کے ایک سوالیہ خط کے جواب میں شریکِ اشاعت ہے ۔ ظہور الاسلام صاحب نے اس خط میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مختلف قسم کے سوالات ذکر کیے ہیں اور آپ نے جوابی مکتوب میں ان سوالات کے جواب تحریر کیے ہیں۔ ظہور کا ایک سوال یہ بھی ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاتلینِ عثمان رضی اللہ تعالے عنہ سے قصاص کیوں نہیں لیا۔ اس کے جواب میں آپ یہ فرماتے ہیں کہ :

اس شبہ کا حل یہ ہے کہ جن لوگوں نے خلیفۂ مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ کے خلاف یورش کی اور آپ کے مکان کا محاصرہ کیا فقہ اسلامی کی رو سے ان کی حیثیت باغی کی تھی پھر ان کی دو قسمیں تھیں ایک وہ لوگ جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر کے اپنی دنیا و عاقبت برباد کی اور دوسرے وہ لوگ جن کا عمل صرف محاصرہ تک محدود رہا۔ اوّل الذکر فریق میں چھ نام ذکر کئے جاتے ہیں : (۱) محمد بن ابی بکر (۲) عمرو بن حمق (۳) کنانہ بن بشیر (۴) غافقی (۵) سودان بن حمران (۶) کلثوم بن تجیب ۔ ان چھ افراد میں سے آپ محمد بن ابی بکر اور عمرو بن حمق کو بری الذمہ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ عمرو بن حمق کے متعلق تاریخی روایات میں آتا ہے :

فوثب علی عثمان فجلس علی صدرہ وبہ رمق فطعنہ تسع طعنات

طبری ص۴۲۴ ج ۳ (بحوالہ "عادلانہ دفاع" ص۱۲۱۔ ج ۲)

اور باقی چار کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ "ان میں سے سودان اور کلثوم موقعہ پر ہی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں کے ہاتھوں سے مارے گئے اور کنانہ اور غافقی بعد میں مارے گئے۔ اس طرح قاتلینِ عثمان میں سے کوئی شخص ہلاکت سے نہیں بچا۔ رہا وہ فریق جس کا عمل محاصرہ تک محدود رہا اور انہوں نے خونِ عثمان سے ہاتھ رنگین نہیں کئے ان کی حیثیت باغی کی تھی خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی آخری لمحہ تک ان کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دی"۔

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ ترکِ قتال کی خود توضیح ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمائی ہے:

فقال عثمان فاما ان اخرج فاقاتل فلن اکون اول من خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی امتہ یسفك الدماء۔ (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص۲۲۳)

اس کے بعد آپ تحریر فرماتے ہیں:

" اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے نئے خلیفہ کی اطاعت کرلی۔ انقیاد و اطاعت کے بعد محض بغاوت کے جرم میں کسی کو قتل کرنے کا کوئی شرعی جواز نہیں۔ پس اطاعت و انقیاد کے بعد اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان باغیوں سے تعرض نہیں کیا تو یہ قواعدِ شرعیہ کے عین مطابق تھا"۔

اس تحقیق کے متعلق آپ نے حاشیہ پر یہ وضاحت بھی بیان فرمائی ہے کہ:

" یاد رہے کہ یہاں میں صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقف کی وضاحت کر رہا ہوں"۔

مناسب تو یہ تھا کہ اس نازک ترین مسئلہ کے دونوں پہلو واضح کر دیتے کیونکہ آپ کی اس تحقیق کے بعد حضرت ام المومنین الحمیرا سلام اللہ علیہا اور حلیم امت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

کی حیثیت بالکل ہی مجروح ہو جاتی ہے جو کہ شانِ صحابہ کے سراسر منافی ہے۔

آپ کی اس تحقیق پر مجھے اپنی کج فہمی یا کم فہمی کے باعث چند خدشات ہیں۔ حضرت زبیر وطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مطالبہ کیا

یا علی انا قد اشترطنا اقامۃ الحدود و ان ھؤلاء القوم قد اشترکوا فی دم ھٰذا الرجل۔

اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

یا اخوتاہ انی لست اجھل ما تعلمون ولکن کیف اصنع بقوم یملکوننا ولا نملکھم۔ (طبری ص۴۵۸ ج ۳ (بحوالہ "عادلانہ دفاع" ص۱۴۳ ج ۲)

اس جملہ سے باغیوں کے انقیاد و اطاعت کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے کہ وہ کس درجہ مطیع و فرماں بردار تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب کا یہ مختصر جملہ آپ کی تحقیق کی بھی تکذیب کرتا ہے۔ اس جواب سے یہ امر بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخذِ قصاص کے مطالبہ کو مبنی برحق سمجھتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے موقف کی وضاحت خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح فرمائی ہے۔ ابو سلامہ الدالانی نے آپ سے پوچھا

اتری لھؤلاء القوم حجۃ فیما طلبوا من ھٰذا الدم ان کانوا ارادوا اللہ عزوجل بذلك قال نعم قال فتری لك حجۃ بتاخیرك ذلك قال نعم۔ طبری ص۵۰۹ ج ۳ (بحوالہ "عادلانہ دفاع" ص۱۵۵ ج ۲)

حضرت قعقاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واقعہ جمل کے وقت طرفین کے درمیان جب مصالحت کی کوشش کی تو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مصالحت کے لئے یہ شرط پیش کی

قتلۃ عثمان رضی اللہ عنہ

آپ نے ان کے جواب میں فرمایا:

فعلی اعذر فی ترکہ الآن قتل قتلۃ عثمان وانما اخر قتل قتلۃ عثمان الی ان یتمکن منھم فان الکلمۃ فی جمیع الامصار مختلفۃ۔ (عادلانہ دفاع ص۱۵۱ ج۲)

ان مختلف نقول سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ خود حضرت علی اور موقع پر دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اخذِ قصاص کے مطالبہ کو مبنی برحق سمجھتے تھے میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کی فقیہانہ بصیرت سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بصیرت اور ادراک علمی فائق ہے آپ اگر عمرِ نوح کی طویل مدت میں علم فقہ حاصل کریں تب بھی آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقیہانہ بصیرت کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔ آپ کی تحقیق اگر صحیح ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ جواب فرماتے :-

"میں کس سے قصاص لوں قاتلین تو مارے گئے ہیں اور باغیوں نے اطاعت قبول کر لی ہے"

مہربانی کر کے ان گزارشات کا جواب خط کے ذریعہ عنایت کریں کیونکہ ہم دیہاتی دہقانوں کے لئے ماہنامہ "بینات" ہمہ وقت میسر نہیں ہو سکتا۔

والسلام

احقر عبدالحق۔ بستی مولویاں
معرفت حافظ ابومغیرہ عبدالرحیم نیاز چوہان
نائب امام مسجد واپڈا اسکارپ کالونی چوک بہادر پور
رحیم یار خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین ولا عدوان الا علی الظالمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، اما بعد

محترمی، وفقنی اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ماہنامہ "بینات" بابت محرم الحرام ۱۴۰۳ھ میں جو مضمون "قاتلینِ عثمان" سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص نہ لینے کے بارے میں شائع ہوا تھا چونکہ وہ تمامتر ہمارے رسالے "شہداء کربلاء پر افتراء" سے ماخوذ ہے اس لئے اس سلسلہ میں آپ کے اشکالات کا جواب دینے کے لئے محترم مدیر "بینات" نے آپ کا مکتوب مجھ کو مرحمت فرما کر فرمائش کی کہ اس کا جواب قلمبند کر دیا جائے۔ چنانچہ مولانا موصوف کے ایماء پر اس سلسلہ میں میں آپ سے مخاطب ہوں۔ واللہ ولی التوفیق ونسأله السداد والسلامۃ ونعوذ باللہ من الضلال والزلل۔

واضح رہے کہ "ناصبیت"[1] کے پرچار کے سلسلے میں کراچی میں کئی حلقے مستقل طور پر سرگرمِ عمل ہیں۔ ان ہی میں ایک "مجلس عثمان غنی" بھی ہے۔ اس مجلس نے اپنے

---

[1] یاد رہے "نواصب"، "خوارج" سے الگ فرقہ ہے۔ جس کا شعار حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی اولاد سے عداوت و دشمنی ہے۔

کام کا آغاز ڈاکٹر احمد حسین کمال کے کتابچوں کی اشاعت سے کیا۔ ڈاکٹر صاحب ایک مدت تک ہفت روزہ "ترجمانِ اسلام" کے مدیر بھی رہ چکے ہیں اس بنا پر ان کو ایک خاص مذہبی حلقہ کا اعتماد بھی حاصل رہا ہے۔ "ترجمان اسلام" کی ادارت سے علیحدہ ہونے پر انھوں نے روسی سفارت خانہ میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔

اسی دور میں انھوں نے "مجلس عثمان غنی" کی تاسیس میں حصہ لیا اس کے لئے کتابچے لکھے اور "ناصبیت" کے فتنے کو ہوا دی۔ ہم نے یہ دیکھا تو اس فتنے کے سدباب کے لئے قلم اٹھایا اور "مجلس عثمان غنی" کے شائع کردہ پہلے کتابچے پر جس کا نام ہے "حضرت عثمان غنی کی شہادت کیوں اور کیسے ؟" اور جس کے مرتب بھی ڈاکٹر احمد حسین کمال ہیں۔ ماہنامہ "بینات" میں ایک مفصل تنقید لکھی۔ جو پہلے "بینات" میں شائع ہوئی۔ اور پھر دوبارہ اسے نظر ثانی اور مزید اضافے کے ساتھ جناب محترم علی مطہر نقوی صاحب نے اپنے ادارہ "تحفظ ناموسِ اہلبیت پاکستان" اے ۲۱۹ بلاک سی شمالی ناظم آباد برکات حیدری کراچی سے "ناصبی سازش" کے نام سے طبع کرا کر شائع کیا اور پھر تیسری بار مکتبہ اہل سنت وجماعت ۳۸۹۔ قاسم آباد، لیاقت آباد کراچی ۱۹ (پاکستان) نے "اکابرِ صحابہ پر بہتان" کے نام سے اس کو شائع کیا۔

ڈاکٹر احمد حسین کمال نے لکھا تھا کہ :

" آس پاس کے مکانات کی دیواروں سے کود کر کئی شرپسند حضرت عثمان کے مکان میں داخل ہو گئے۔ ان شرپسندوں کی قیادت حضرت علی کا ایک سوتیلا بیٹا اور پروردہ محمد بن ابی بکر کر رہا تھا۔ اس محمد نے حضرت عثمان کی پیشانی پر پیکان سے ضرب لگائی اور ڈاڑھی پکڑ کر کھینچی اس کے ایک ساتھی کنانہ بن بشر نے کان کے نچلے حصے میں تیر مار کر حضرت عثمان کے حلق سے پار کر دیا۔ اس کے دوسرے ساتھی غافقی نے لوہے کی سلاخ سے حضرت عثمان کا سر پھاڑ دیا اور اس قرآن کو ٹھوکر مار کر دور پھینک دیا جسے حضرت عثمان تلاوت

فرما رہے تھے۔ اس کا تیسرا ساتھی عمرو بن حمق حضرت عثمان کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور آپ کے سینہ پر خنجر کے نو (۹) چرکے لگائے۔ اس کے چوتھے ساتھی سودان بن حمران مرادی نے تلوار کا ایک بھرپور وار کر کے حضرت عثمان کا چراغِ حیات گل کر دیا۔ یہ تھے وہ "پنجتن" جنھوں نے مسلمانوں کے خلیفہ کو ...... دن دھاڑے مدینہ میں ...... بے رحمی کے ساتھ شہید کر ڈالا "

ہم نے اس کے جواب میں تحریر کیا تھا کہ

" اس کتابچہ کے مرتب نے محض شیعوں کی ضد میں لفظ "پنجتن" کا استعمال ان پانچ افراد کے لئے کیا ہے جنھیں وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل بتاتا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۸) اور پھر ان ہی "پنجتن" کے زمرہ میں اس نے حضرت عمرو بن حمق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی نام لیا ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں۔ ... حضرت عمرو بن حمق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ ان تمام کتابوں میں مذکور ہے۔ جو صحابہ کے حالات میں مدون ہوئی ہیں۔ مسند امام احمد بن حنبل، سنن نسائی سنن ابن ماجہ، اور حدیث کی دوسری کتابوں میں ان کی وہ روایتیں موجود ہیں جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں۔ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے تھے۔ اور صلح حدیبیہ کے بعد انھوں نے ہجرت کی تھی۔

علماء محققین نے تصریح کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خونِ ناحق میں کسی صحابی کی شرکت ثابت نہیں۔ چنانچہ علامہ عبد العلی بحر العلوم فرنگی محلی فواتح الرحموت شرح مسلّم الثبوت میں رقمطراز ہیں :

معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل بہت بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ کیونکہ آپ خلیفہ برحق تھے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم نے	اعلم ان قتل امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ من اکبر الکبائر فانہ امام حق، و قد اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ

آله واصحابه وسلم بانه یقتل مظلومًا، و قد افنیٰ عمره فی طاعة الله تعالیٰ و رسوله صلی الله تعالیٰ علیه وعلیٰ آله واصحابه وسلم ولم یدخل احد من الصحابة رضوان الله تعالیٰ علیهم فی قتله رضی الله عنه ولم یرض به احد منهم ایضًا بل جماعة من الفساق اجتمعوا کاللصوص وفعلوا ما فعلوا وانکر الصحابة کلهم کما ورد فی الاخبار الصحاح، فالداخلون فی القتل او الراضون به فاسقون البتة لکن لم یکن فیهم واحد من الصحابة کما صرح به غیر واحد من اهل الحدیث (ص ۴۴ طبع نول کشور لکھنؤ ۱۳۲۵ھ)

پہلے ہی خبر دیدی تھی کہ یہ مظلوم قتل کئے جائیں گے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ساری زندگی حق تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کی اطاعت میں بسر کی، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کوئی ایک شخص بھی نہ تو ان کے قتل میں شریک تھا اور نہ ان کے قتل ہو جانے پر راضی۔ بلکہ فاسقوں کی ایک ٹولی نے چوروں کی طرح اکٹھے ہو کر جو کرنا تھا کر ڈالا۔ سارے صحابہ نے جیسا کہ صحیح روایات میں آتا ہے اس فعلِ شنیع پر نکیر کی پس جو لوگ بھی آپ کے قتل میں شریک ہوئے یا اس پر راضی ہوئے وہ سب یقیناً فاسق ہیں لیکن (یاد رہے) ان قاتلوں میں جیسا کہ بہت سے محدثین نے تصریح کی ہے صحابہ میں سے کوئی ایک فرد بھی شریک نہ تھا۔[1]

اور محمد بن ابی بکر کے بارے میں لکھا تھا کہ

"حافظ ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" میں رقمطراز ہیں:

ویروی ان محمد بن ابی بکر طعنه بمشاقص فی اذنه حتی دخلت فی حلقه۔ والصحیح ان الذی فعل ذلك غیره

اور بیان کیا جاتا ہے کہ محمد بن ابی بکر نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کان میں پیکانوں سے وار کیا وہ آپ کے حلق میں اتر گئے، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ ایسا کسی اور نے کیا تھا۔ محمد بن ابی بکر

[1] ملاحظہ ہو ہمارا کتابچہ "اکابر صحابہ پر بہتان" ص ۳۶ و ۳۷

و انه استحیی و رجع حین قال له عثمان لقد اخذت بلحیة کان ابوك یکرمها، فندم من ذلك وغطی وجهه ورجع وحاجز دونه فلم یفد وکان امر الله قدرًا مقدورًا۔ وکان ذلك فی الکتاب مسطورًا

تو اسی وقت شرما کر واپس لوٹ گئے تھے جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا تھا کہ تم نے اس داڑھی پر ہاتھ ڈالا ہے جس کی تمہارے باپ عزت کیا کرتے تھے، بس اتنا سننا تھا کہ ان پر ندامت طاری ہو گئی اور اپنا منہ چھپا کر واپس ہونے لگے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں آڑے بھی آئے لیکن اس کا کچھ فائدہ نہ ہوا، امر الٰہی پورا ہو کر رہا۔ تقدیر

(ج ۷، ص ۱۸۵ طبع بیروت ۱۹۶۶ء) میں یوں ہی لکھا ہوا تھا[1]

پھر اسی مجلس کا دوسرا کتابچہ "داستانِ کربلا حقائق کے آئینے میں" شائع ہوا۔ یہ بھی اسی ڈاکٹر احمد حسین کمال کا لکھا ہوا ہے۔ اس کی تردید میں ہم نے اپنا رسالہ "شہداء کربلا پر افترا" لکھا۔ جس میں ہم نے تحریر کیا تھا کہ

"داستان گو کے فریب کو سمجھنے کے لئے اولاً "قاتلان عثمان" کے معاملے پر غور کیجئے، قاتلانِ عثمان کے سلسلے میں اصل تنقیح طلب امر یہ ہے کہ واقعی میں "قاتلانِ عثمان" ہیں کون؟ کیا وہ شر پسند جو آس پاس کے مکانات کی دیواروں سے کود کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں داخل ہو گئے تھے اور جنہوں نے اس فعلِ شنیع کا ارتکاب کیا تھا۔ یا وہ سب مظاہرین جو آپ سے مسندِ خلافت سے کنارہ کش ہونے کا مطالبہ کر رہے تھے؟ ظاہر ہے کہ شرعاً اور قانوناً آپ کے قتل کے مجرم وہی اشخاص ہیں جو براہِ راست اس فعلِ شنیع کے مرتکب ہوئے خود آپ پر حملہ آور ہوئے یا آپ پر حملہ کرنے میں مدد کی، ایسے لوگوں کی تعداد خود "داستان گو" صاحب کے بیان کے مطابق پانچ افراد سے زیادہ نہیں جن کو وہ شیعوں کی ضد میں "پنجتن" کہہ کر پکارتے

[1] ملاحظہ ہو "اکابر صحابہ پر بہتان" ص ۲۶ و ۲۷

ہیں، ان پانچوں قاتلوں کے نام "داستان گو" صاحب نے یہ لکھے ہیں (۱) **محمد بن ابی بکر** (۲) کنانہ بن بشر (۳) غافقی (۴) عمرو بن حمق (۵) سودان بن حمران۔ بعد کو "داستان گو" صاحب نے کلثوم بن تجیب نامی ایک اور شخص کو بھی قاتل لکھا ہے۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کس کا قاتل تھا۔ اگر اس کو بھی وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل قرار دیتے ہیں تو ان کی "پنجتن" کی پھبتی غلط ہو جائے گی کیونکہ اب قاتل "پنجتن" کی بجائے "شش تن" بن جائیں گے۔ بہرحال ان نام بردگان میں حضرت عمرو بن الحمق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بالاتفاق صحابی ہیں اور محققین محدثین کی تصریح کے مطابق کسی صحابی رسول کی شرکت قتل عثمان میں ثابت نہیں۔ اسی طرح محمد بن ابی بکر صدیق کے متعلق بھی صحیح یہی ہے کہ وہ قتل کے ارتکاب میں شریک نہ تھے۔ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داڑھی ضرور پکڑی تھی لیکن جب حضرت ممدوح نے ان سے یہ فرمایا کہ برادر زادے تمہارے باپ زندہ ہوتے تو ان کو تمہاری یہ حرکت پسند نہ آتی۔ بس یہ سنتے ہی وہ شرما کر پیچھے ہٹ گئے اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ پر دست درازی سے روکنے کی کوشش کی، لیکن کچھ نہ بن پڑا، یہ عجیب بات ہے کہ ناصبی اپنے امام یزید اور مروان کو تو ہر طرح بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے خلاف جو کچھ تاریخ اسلام میں مذکور ہے اس کو سبائیوں کی ہوائی باتیں بتاتے ہیں مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں شریک بنانے کے درپے ہیں۔ صرف اس لئے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لے پالک تھے اور شیعہ بھی ان کو اپنا ہیرو مانتے ہیں اور ان پر "قتلِ عثمان" کی غلط تہمت جوڑتے ہیں جو خلافِ واقع ہے، ناصبیوں کو چاہیئے کہ جس طرح وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا برادر نسبتی ہونے کی وجہ سے "خال المومنین" کہتے ہیں اسی رشتہ سے ان کو بھی "خال المومنین" کہا کریں اور ان کا ادب کیا کریں کیونکہ وہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند اور حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا کے بھائی تھے۔

سودان بن حمران اور کلثوم تجیبی دونوں موقع پر ہی حسب تصریح حافظ ابن کثیر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں کے ہاتھوں مارے گئے۔

(ملاحظہ ہو "البدایہ والنہایہ" ج ، ص ۱۸۸ و ۱۸۹)

اب صرف غافقی اور کنانہ بن بشر دو شخص رہ جاتے ہیں جو موقع واردات سے کسی طرح فرار ہو گئے تھے۔ بعد کو یہ بھی قتل ہو گئے چنانچہ ابن جریر طبری نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ قاتلانِ عثمان میں سے کوئی شخص بھی قتل ہونے سے نہ بچ سکا

(ملاحظہ ہو حوالہ سابق)

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب مسند آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ اسی واقعہ کی تحقیق تھی، لیکن دقت یہ تھی کہ نہ اولیاء مقتول میں سے کسی نے اس وقت دربارِ خلافت میں استغاثہ دائر کیا اور نہ قاتلین میں سے کوئی موجود تھا، نہ قتل کی عینی شہادت کسی کے خلاف فراہم ہو سکی۔ اب کارروائی کی جاتی تو کس کے خلاف کی جاتی؛ علامہ ابن تیمیہ نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ

علی کان معذوراً فی ترک قتلۃ عثمان لان شروط الاستیفاء لم توجد[1]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ "قاتلینِ عثمان" کو قتل نہ کرنے میں معذور تھے۔ کیونکہ قصاص لینے کے لئے جو شرائط ضروری ہیں، وہ موجود ہی نہ تھیں۔

ظاہر ہے کہ جب اصل قاتلوں کا پتہ ہی نہ چل سکے تو پھر قصاص کس سے لیا جائے یہ تو ہوئی بات ان لوگوں کے متعلق جو براہِ راست اس فعلِ شنیع کے مرتکب ہوئے تھے۔

اب رہے وہ مظاہرین جنھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی کا محاصرہ کیا تھا۔ ان کی حیثیت باغی سے زیادہ نہ تھی "داستان گو" نے بھی اپنے

[1] منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۲۹

پہلے کتابچہ "حضرت عثمان غنی کی شہادت کیوں اور کیسے" میں جگہ جگہ ان کو باغی ہی لکھا ہے۔ باغیوں کے بارے میں فقہ اسلامی کا فیصلہ یہ ہے کہ بغاوت سے باز آجانے کے بعد ان کو بغاوت کی پاداش میں سزا نہیں دی جائے گی۔ نیز آغاز بغاوت میں بھی جب تک وہ لوگوں کے جان و مال سے تعرض نہ کریں ان کو زبانی فہمائش ہی کی جائے گی، سمجھایا جائے گا، ان کے شبہ کے ازالے کی کوشش کی جائے گی تاکہ وہ فساد و بغاوت سے باز آجائیں، ہاں اگر وہ زبانی فہمائش سے باز نہ آئے اور انہوں نے خون ریزی میں پیش دستی کی یا باضابطہ لشکر کشی کر کے لڑنے کو موجود ہو گئے تو پھر ان سے قتال واجب ہے۔ اب حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں خلفاء راشدین کے طرز عمل پر نظر ڈال لیجئے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عین حالتِ محاصرہ کے وقت بھی باغیوں کو زبانی فہمائش ہی پر اکتفا کی اور ہر طرح ان کے شبہات کے ازالہ کی کوشش فرمائی، کیونکہ اس وقت تک ان کا معاملہ خلیفۂ وقت کے خلاف مظاہرے سے آگے نہ بڑھا تھا۔ اخیر میں چند شرپسند جن کی تعداد چار پانچ افراد سے زیادہ نہ تھی اچانک اشتعال میں آگئے وہ چوروں کی طرح پڑوس کی دیواروں سے آپ کی حویلی کی چھت پر کودے اور بالاخانہ میں اتر کر آپ کو شہید کر ڈالا، ان میں کچھ عین وقت پر مارے گئے، کچھ موقع پاکر رات کے اندھیرے میں فرار ہو گئے۔ بعد ازاں جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مدینہ کے تمام مہاجرین و انصار نے خلافت کی بیعت کی تو ان مظاہرین نے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کر کے آپ کی اطاعت اختیار کرلی، بغاوت فرو ہو جانے کے بعد اب ان باغیوں سے باز پرس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فقہاء نے تصریح کی ہے

توبۃ الباغی بمنزلۃ الاسلام من الحربی فی افادۃ العصمۃ والحرمۃ (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، باب البغاۃ)

جان و مال کی حفاظت اور ان کے احترام کے سلسلہ میں باغی کے توبہ کر لینے اور حربی کافر کے اسلام لے آنے کا ایک ہی حکم ہے (کہ اب دونوں کی جان اور مال سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا)[1]

[1] ملاحظہ ہو "شہداء کربلا پر افتراء" ص ۹۳ لغایت ۹۷

ہم نے اپنے رسالہ "شہداء کربلا پر افتراء" میں قاتلین عثمان کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا اسی کی روشنی میں مدیر "بینات" نے اپنا وہ جواب قلمبند فرمایا جس کا حوالہ آپ نے اپنے اس مکتوب میں دیا ہے اس کے بعد اب آپ اپنے مکتوب کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی مرحوم نے اپنی کتاب "ابوالحسنین" کے خاتمہ پر جو سطور قلمبند فرمائی ہیں وہ غور سے پڑھنے کے لائق ہیں۔ فرماتے ہیں:

"خاتمہ پر مجھے بیان کر دینا چاہئے کہ حضرت علی کے عہد اور صحابہ کی باہمی خونریزیوں کو بیان کرنا ایک سچے مسلمان کے لئے نہایت ہی پرخطر راستہ ہے۔ بہت مشکل ہے کہ انسان اس راستے پر چلے اور اس کے قدم کو لغزش نہ ہو۔ چنانچہ فی الحال بعض انگریزی دان بے لگاموں نے اس کوچے میں قدم رکھا تو بعض حضرت معاویہ کو برا کہنے لگے اور بعض کے دلوں میں حضرت علی کی طرف سے بدظنی پیدا ہو گئی، اسی دشواری کے خیال سے اکابر سلف کا معمول ہے کہ ان واقعات کی تفصیل بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ مگر یہ بھی امکان سے باہر ہے اس لئے کہ جو واقعات سلف کی تاریخوں اور حدیث کی کتابوں میں درج ہیں وہ نہ کسی کے چھپانے سے چھپ سکتے ہیں اور نہ دبانے سے دب سکتے ہیں اس میدان میں خوارج اور شیعہ نہایت آرام سے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے یکسوئی اختیار کرلی۔ اور جن بزرگوں کو چاہا برا کہنے لگے اور جن کی جی چاہا تعریفیں کرنے لگے۔ شیعہ اکیلے حضرت علی اور ان کے فریق کے طرفدار بن کے حضرات خلفاء ثلاثہ، معاویہ، عمرو بن عاص اور حضرت علی کے تمام مخالفوں کو علی الاعلان برا کہنے لگے۔ خوارج نے صرف ابوبکر و عمر کو اختیار کرلیا اور علی ہوں یا معاویہ سب کو برا کہنے

لگے۔ شیعیان عثمان کا گروہ بنی امیہ کے زوال کے ساتھ فنا ہو گیا ورنہ وہ بھی آج موجود ہوتے اور جن صحابہ و اکابر خیر القرون کو اپنے اصول کے خلاف پاتے برا کہتے۔ قاعدین یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعری و عبداللہ بن عمر و ابو ہریرہ کے مسلک پر بھی کوئی نہیں رہا۔ وہ ہوتے تو ان کے لئے بھی زیادہ مشکل نہ ہوتی۔ اس لئے کہ لڑنے اور خونریزی کرنے والوں کو عام اس سے کہ کوئی ہوں وہ برا سمجھتے۔

مشکل ہے تو ہم اہل سنت کے لئے۔ جن کا مسلک یہ ہے کہ ہمارے لئے ان کی لڑائی ویسی ہی ہے جیسے کہ ماں باپ کی باہمی رنجش بچوں کے لئے ہوا کرتی ہے۔ یا استادوں کا باہمی اختلاف شاگردوں کے لئے ہو، ماں باپ اور متخالف استاد ایک دوسرے کو برا کہتے اور گالیاں دیتے ہیں مگر وہ دونوں کو اچھا جانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دونوں میں سے کسی کا ساتھ نہ چھوڑیں۔ عدالت ان میں سے چاہے جس کی تائید کرے مگر وہ دونوں کے موافق ہی رہتے ہیں، اسی طرح اہل سنت کا اعتقاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور ان بزرگوں کے ذاتی فضائل اور کارناموں کو دیکھ کر ہم کسی کو بھی برا نہیں کہہ سکتے۔ نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کون حق پر ہے، اور کون باطل پر، خدا کے اختیار میں ہے کہ ان کی نزاعوں کا جو فیصلہ چاہے کر دے۔ مگر ہم ان کی شان میں گستاخی کرنا اپنی شان اور اپنے درجہ سے زیادہ اور اپنے صحیح معلومات سے باہر تصور کرتے ہیں۔ اس پر بھی کوئی صاحب کسی طرف جھکنا اور کسی کے خلاف فیصلہ کرنا چاہیں تو انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ہماری معلومات کا دائرہ نہایت مشتبہ و مشکوک ہے اس قسم کی روایتیں جن پر کسی شرعی مسئلے کی بنیاد پڑے ان معاملات میں موجود نہیں ہیں۔ قدیم سے عادت پڑی ہوئی

ہے کہ بزرگوں کے فضائل و مناقب میں کسی شرعی مسئلے سے غیر متعلق ہونے کے باعث صحتِ روایت کی پوری کوشش نہیں کی جاتی اور ضعیف روایتیں بے تکلف بیان کر دی جاتی ہیں۔ اسی طرح ان واقعات کی نقل کرنے میں بھی بے احتیاطی کی گئی۔ اور کوئی روایتوں کا پرکھنے والا گروہ نہیں پیدا ہوا۔

محدثین سلف، تابعین و تبع تابعین کے عہد کے شیعیان علی کی روایتوں کو مان لیا کرتے تھے۔ اور صحابہ میں تو عام اس سے کہ شیعیان علی ہوں یا شیعیان عثمان یا قاعدین سب کی روایتیں مقبول سمجھی گئیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ نماز روزے کے مسائلِ شرع میں چاہے ان کی روایتیں مان لینے کے قابل ہوں مگر اس جھگڑے میں چونکہ وہ فتنے میں پڑ کے ایک مسلک اختیار کر چکے تھے۔ لہٰذا یقینی طور پر اس بارۂ خاص میں ان کی کوئی روایت قابلِ وثوق نہیں ہو سکتی [1]۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ہماری تاریخیں ایسی متضاد و متخالف روایتوں سے بھری پڑی ہیں کہ ان سب پر نظر ڈال کے کسی صحیح نتیجے تک پہنچنا غیر ممکن ہے۔

باہمی نزاعوں کے متعلق میں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ کسی مستند فیصلہ کے بجائے قیاسی طور پر بعض روایتوں کو چھوڑ کے اور بعض کو لے کر مرتب کر دیا گیا۔ لیکن خود مجھے اس پر وثوق نہیں کہ ان میں کتنی باتیں صحیح ہیں اور کتنی غلط۔ لہٰذا میں مشورہ دیتا ہوں کہ اگر کوئی صاحب اس بارے میں بحث کر کے صحیح نتیجے تک پہنچنا چاہتے ہوں تو وہ رجال کی کتابوں کا وسیع اور مکمل ذخیرۂ کتب جمع کر کے پہلے اس کی چھان بنان کریں کہ روایتوں میں سے کتنی شیعیانِ علی کی ہیں اور کتنی شیعیانِ عثمان کی، کتنی قاعدین اور کتنی

---

[1] مگر صحابہ سے اس بارے میں شاید ہی کوئی روایت قابلِ وثوق ملے۔ نعمانی۔

خوارج سے ہمارے یہاں نقل ہو آئی ہیں۔ پھر ان سب کو ایک دوسرے کے مقابل رکھ کے اصولِ جرح و تعدیل اور قیاس شرعی سے کام لے کر فیصلہ کریں۔

بغیر اس کے عام سنی سنائی باتوں کو دیکھ کر کسی کا جانبدار بن جانا اور کسی کو برا کہنے لگنا سخت نادانی ہے۔ اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ ہم کو اور سب سچے مسلمانوں کو اس حماقت و جہالت سے محفوظ رکھے۔"[1]

(۱)

اس تمہید کے بعد اب آپ کی پیش کردہ ان تاریخی روایات کا علمی جائزہ لینا نامناسب نہیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ

"ان چھ افراد میں سے آپ محمد بن ابی بکرؓ اور عمرو بن حمق کو بری الذمہ قرار دیتے ہیں" حالانکہ عمرو بن حمق کے متعلق تاریخی روایات میں آتا ہے

فوثب علی عثمان فجلس علی صدرہ وبہ رمق فطعنہ تسع طعنات[2]	یعنی یہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ پر کود کر بیٹھ گیا اور ابھی ان میں زندگی کی کچھ رمق باقی تھی کہ اس نے ان پر نو زخم لگائے۔

تاریخ طبری میں اس روایت کی سند یہ بیان کی ہے:

قال محمد بن عمر حدثنی عبدالرحمن بن ابی الزناد عن عبدالرحمن بن الحارث۔	محمد بن عمر (واقدی) کا بیان ہے کہ مجھ سے عبدالرحمن بن ابی الزناد نے عبدالرحمن بن حارث کی زبانی یہ نقل کیا۔

(۱) اس روایت کے پہلے راوی جناب محمد بن عمر واقدی المتوفی ۲۰۷ھ ہجری کا ضعیف الروایۃ ہونا مشہور و عام ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے "تقریب التہذیب" میں ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں

[1] "ابوالحسنین" ص ۲، تا ۴۔ مطبوعہ دل گداز پریس لکھنو

[2] طبری ج ۲ ص ۴۲۳ بحوالہ "عادلانہ دفاع"

متروک مع سعۃ علمہ	باوجود وسیع العلم ہونے کے متروک ہیں۔

(۲) واقدی اس کو عبدالرحمن بن ابی الزناد المتوفی ۱۷۴ھ سے روایت کرتے ہیں، جن کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ کی تصریح ہے۔

صدوق تغیّر حفظہ لمّا قدم بغداد۔ (تقریب التہذیب)	سچے ہیں۔ جس وقت بغداد میں آئے تھے ان کا حافظہ بگڑ چکا تھا۔

اب معلوم نہیں واقدی نے ان سے یہ روایت بغداد میں سنی تھی یا بغداد میں آنے سے پہلے ہی۔ علاوہ ازیں کتبِ رجال میں ان پر مفصل جرحیں بھی مذکور ہیں اور گو عام طور پر ان کی روایتیں قبول کر لی جاتی ہیں مگر میزانِ نقد پر پرکھنے کے بعد۔

(۳) عبدالرحمن بن ابی الزناد اس روایت کو عبدالرحمن بن الحارث بن عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی المتوفی ۱۴۳ھ ہجری سے نقل کرتے ہیں، ان کے بارے میں بھی حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی تصریح یہ ہے:

صدوق لہ اوہام (تقریب)	سچے ہیں ان سے (متعدد روایات میں) وہم ہوا ہے

راوی سے روایت میں وہم کا ہو جانا روایت کو مجروح کر دیتا ہے۔ کتبِ رجال میں ان پر بھی جرح موجود ہے۔ اس لئے ان کی روایت کو قبول کرنے میں احتیاط کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ بلکہ حافظ ذہبی نے تو "الکاشف" میں ان کے بارے میں صرف ایک ہی قول نقل کیا ہے کہ لیس بالقوی (یہ قوی نہیں ہیں)

(۴) عبدالرحمن بن الحارث کا انتقال ۱۴۳ھ ہجری میں ہوا ہے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ترسٹھ سال کی تھی ۸۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ذی الحجہ ۳۵ھ میں ہوئی ہے یعنی ان کی ولادت سے پینتالیس سال پہلے۔ اب یہ معلوم نہیں کہ عبدالرحمن بن الحارث سے اس واقعہ کا ذکر کس نے کیا راوی عینی شاہد تھا یا اس نے کسی کی زبانی یا افواہ سنی تھی۔ عبدالرحمن بن الحارث کے ہوش سنبھالنے اور روایت کو ضبط کرنے کے قابل ہونے تک اس واقعہ کو گزرے ہوئے پچاس ساٹھ برس کا عرصہ ہو چکا تھا۔ عام طور پر اس عرصہ کے کسی واقعہ کو بیان

کرنے کے لئے کم از کم دو راوی اور درمیان میں ہوا کرتے ہیں۔ اب پتہ نہیں کہ جن صاحب سے عبدالرحمٰن بن الحارث نے عمرو بن الحمق کے بارے میں یہ الزام سنا تھا وہ صاحب خوارج میں سے تھے یا شیعیانِ علی میں یا شیعیانِ عثمان میں یا نواصب میں اور خود انہوں نے جن سے اس واقعہ کو سنا وہ کون تھے کس کے ہوا خواہ تھے، کس پارٹی سے تعلق تھے، انہوں نے خود اپنی آنکھوں کے سامنے ایسا ہوتا دیکھا تھا یا محض زبانی سنی سنائی افواہ بیان کردی تھی، اتنا اہم واقعہ ہو اور اس کے عینی شاہد کا نام بھی نہ لیا جائے، عجیب بات ہے۔

خاص طور پر اس الزام کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جبکہ یہ کہا جائے کہ اس گھناؤنے جرم کے مرتکب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک محترم صحابی ہیں۔ حضرت عمرو بن الحمق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں سائل اور مصنفِ "عادلانہ دفاع" دونوں کے بارے میں ہمارا حسنِ ظن یہ ہے کہ دونوں ہی کو ان کے صحابی ہونے کا علم نہیں ہے ورنہ وہ ان کے بارے میں اس قسم کا غلط الزام نقل کرنے میں احتیاط برتتے۔

اب ملاحظہ فرمائیے حافظ ابن حجر عسقلانی "تقریب التہذیب" میں لکھتے ہیں

(س ق) عمرو بن الحمق بفتح المهملة وكسر الميم بعدها قاف ابن كاهل ويقال الكاهن بالنون ابن حبيب الخزاعي صحابي سكن الكوفة ثم مصر قتل في خلافة معاوية.

(س ق) عمرو بن الحمق (حاء پہ زبر، میم پر زیر اس کے بعد قاف ہے) بن کاھل، (اور کاہل کی بجائے کاہن بھی نون کے ساتھ کہا جاتا ہے) بن حبیب خزاعی صحابی ہیں پہلے کوفہ میں سکونت اختیار کی اس کے بعد مصر چلے گئے۔ حضرت معاویہ کے زمانۂ خلافت میں ان کو قتل کیا گیا۔

"س" امام نسائی اور "ق" امام ابن ماجہ قزوینی کی علامت ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں بزرگوں کی کتابوں میں ان کی حدیث جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انہوں نے روایت کی تھی موجود ہے۔ "مشکوٰۃ المصابیح" کے "باب الامان" میں بھی ان کی روایت "شرح السنۃ" کے حوالہ سے مذکور ہے اس لئے مشکوٰۃ کا ایک طالب علم بھی ان کے صحابی ہونے سے واقف ہے۔ ان کے علاوہ بہت سی کتبِ احادیث میں

ان کی مرویات موجود ہیں بالخصوص "مسند احمد"، اور "مسند طیالسی" وغیرہ میں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی "اشعۃ اللمعات" میں فرماتے ہیں:

عمرو بن الحمق بفتح حاء وکسر میم صحابی خزاعی سکونت کرد کوفہ را پس از ان انتقال کرد بمصر بیعت کرد آنحضرت را در حجۃ الوداع قتل کردہ شد در سنہ احدیٰ وخمسین، و در قتل وے قصہ عجیبت کہ ذکر کردہ است آنرا سیوطی در جمع الجوامع "وما در "اسماء الرجال" آنرا ذکر کردہ ایم و در حاشیہ رسالہ "تعمیم البشارۃ" نیز نوشتہ ایم۔[۱]

عمرو بن الحمق۔ بفتح حاء و کسرِ میم۔ صحابی ہیں، قبیلہ خزاعہ سے تعلق رکھتے ہیں، کوفہ میں سکونت پذیر تھے پھر مصر میں منتقل ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع میں بیعت کی، ۵۱ھ ہجری میں قتل کئے گئے۔ ان کے قتل کا قصہ عجیب ہے، جس کو امام سیوطی نے "جمع الجوامع" میں ذکر کیا ہے اور ہم نے "اسماء الرجال" میں اس کو بیان کیا ہے اور اپنے رسالہ "تعمیم البشارۃ" کے حاشیہ میں بھی ہم اس کو لکھ چکے ہیں۔

شیخ ممدوح نے "مشکوٰۃ" کے رواۃ پر جو کتاب لکھی ہے اس کا ذکر یہاں "اسماء الرجال" کے نام سے کیا ہے۔ یہ ضخیم کتاب ہے جس کا نسخہ ہندوستان میں پٹنہ کی خدا بخش لائبریری میں موجود ہے اس کا پورا نام "اسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی المشکوٰۃ" ہے، اور راجپوتانہ کی مشہور سابقہ مسلمان ریاست "ٹونک" کے سرکاری کتب خانہ میں اس کتاب کا قلمی نسخہ ہماری نظر سے بھی گزرا ہے۔ اور شیخ نے اپنے جس رسالہ کا یہاں ذکر کیا ہے اس کا پورا نام "تحقیق الاشارہ فی تعمیم البشارہ" ہے۔ اس رسالہ میں اُن حضرات صحابہ کا ذکر ہے، جن کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنے اس رسالہ کا تعارف اپنی دوسری تصنیف "تکمیل الایمان" میں ان الفاظ میں کیا ہے:

وعوام خلق پندارند کہ بشارت بدخولِ جنت وقطع بدان مخصوص باین عشرہ است و این گمان غلط محض و

عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یقینی طور پر دخولِ جنت کی بشارت عشرہ مبشرہ ہی کی خصوصیت ہے، اور یہ گمان کرنا محض غلط اور صریح جہالت ہے....

[۱] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۳- ص ۴۳۱ و ۴۳۲ طبع نول کشور لکھنؤ سنہ ۱۹۰۷ء

جبل صریح است .... و ما این مبحث را درین روزگار درکتابے مستقل مسمی بہ "تحقیق الاشارة فی تعمیم البشارة" بتفصیل وتحقیق بیان نمودہ واسامی اہل بشارت را ازانچہ درکتبِ احادیث درنظر آمدہ ذکرکردہ ایم ۔ وحق آنست کہ بشارت خلفاء اربعہ وفاطمہ وحسن و حسین وامثالِ ایشان مشہور ست واصل بحد تواتر معنوی وبشارت باقی عشرہ نیز بحدِ شہرت رسیدہ وبشارتِ بعضے دیگر احاد باتفاوتِ مراتب آن [1]

ہم نے اس بحث کو اسی زمانے میں ایک مستقل کتاب میں جس کا نام "تحقیق الاشارة فی تعمیم البشارة" ہے۔ تفصیل وتحقیق کے ساتھ بیان کیا ہے اور جن حضرات کو بشارت دی گئی ہے ان کے بارے میں کتبِ احادیث میں جو کچھ نظر سے گزرا ہے نام بنام ذکر کردیا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ چاروں خلفا، حضرات فاطمہ وحسن وحسین اور ان جیسے حضرات کے بارے میں تو جنتی ہونے کی بشارت اس قدر مشہور ہے کہ تواترِ معنوی کی حد تک پہنچ گئی ہے ۔ اور باقی عشرہ مبشرہ کی بھی شہرت تک پہنچ چکی ہے اور بعض دوسرے صحابہ کے جنتی ہونے کی بشارت خبر احاد سے ثابت ہے، اور ان کے باہم فرق مراتب کا لحاظ رکھنا ہوگا

بہر حال حضرت عمرو بن الحمق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان خوش قسمت افراد میں شامل ہیں جن کو بارگاہِ رسالت سے جنتی ہونے کی بشارت ملی ہے ۔ اور گو اس کا ثبوت شہرت وتواتر کی حد تک نہ پہنچ سکا لیکن خبر احاد سے ثابت ہے ۔ اسی بنا پر ان کا ذکر شیخ ممدوح کے رسالہ مذکور "تعمیم البشارة" میں آیا ہے ۔ شیخ محدث نے ان کے بارے میں جو یہ لکھا ہے کہ

"انھوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حجة الوداع میں بیعت کی تھی"

تو اس سلسلہ میں جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" میں تصریح کی ہے زیادہ صحیح یہ ہے کہ انھوں نے صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کی تھی۔ بلکہ حافظ موصوف نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ حاکم کبیر کی "کتاب الکنی" کے حوالہ سے ابن اسحاق کا جو بیان

---

[1] تکمیل الایمان ص ۶۵ طبع مجتبائی دہلی سنہ ۱۳۲۰ھ

نقل کیا جاتا ہے اس سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرو بن الحمق رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر میں بھی شریک ہو چکے ہیں ۔ بہر صورت ان کا صحابی ہونا متحقق ہے اور غزوۂ بدر میں اگر ان کی شرکت ثابت ہو جاتی ہے تو پھر ان کا شمار سابقین اولین میں ہوگا ۔ اور صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کی بنا پر ان حضرات سے بہر حال افضل قرار پاتے ہیں جو فتح مکہ کے موقع پر مشرف باسلام ہوئے پھر ایسے جلیل القدر صحابی پر اتنا سنگین الزام ایسی بے جان اور واہی روایت کی بنا پر عائد کرنا ہمارا ذہن اس کے قبول کرنے سے بار بار تحاشی کرتا ہے ۔

محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار بھی محدثین کے نزدیک صغارِ صحابہ میں ہے چنانچہ محقق جلال الدین دوانی نے "شرح عقائد عضدیہ" میں صحابی کی جو تعریف کی ہے وہ یہ ہے :

وهو من رأى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم مؤمنا به سواء كان في حال البلوغ أو قبله أو بعده طال صحبته أو لا ۔

"صحابی" وہ ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لا کر آپ کی زیارت کی ہو، خواہ بلوغ کی حالت میں یا اس سے پہلے یا اس کے بعد اور خواہ آپ کی طویل صحبت اٹھائی ہو یا اتنا موقع نہ مل سکا ہو۔

محقق دوانی کی اس تعریف کی توضیح کرتے ہوئے اس کتاب کے شارح شیخ اسماعیل کلنبوی المتوفی سنہ ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں :

سواء كانت الرؤية والابصار في حال البلوغ أو قبله كما في محمد بن أبي بكر من الصحابة، فانه ولد قبل وفاته عليه السلام بثلاثة أشهر لكنه رأى النبي عليه السلام حال الطفولية ولذا عد من الأصحاب [1]

خواہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے اپنی آنکھیں روشن کرنا اور آپ کی زیارت سے مشرف ہونا بلوغ کی حالت میں ہو یا اس سے قبل جیسا کہ صحابہ میں محمد بن ابی بکر کا حال ہے کہ ان کی ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تین ماہ پیشتر ہوئی تھی لیکن انہوں نے چونکہ بزمانِ طفولیت آپ کی زیارت کی تھی اس لئے علماء نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے ۔

اور امام سیوطی "تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی" میں رقمطراز ہیں :

ومن رأى النبي صلى الله عليه وسلم غير مميز كمحمد بن أبي بكر الصديق فانه صحابي وحكم روايته حكم المرسل لا الموصول (ج ۱ ص ۱۹۶ طبع مصر سنہ ۱۲۸۵ء)

اور جس نے بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سنِ تمییز کو پہنچنے سے پہلے دیکھا ہو جیسے کہ محمد بن ابی بکر صدیق کہ وہ بھی صحابی ہیں اور ان کی روایت موصول نہیں مرسل کے حکم میں ہوگی ۔

---

[1] ملاحظہ ہو حاشیہ شیخ اسماعیل کلنبوی بر "شرح عقائد عضدیہ" از جلال الدین دوانی ج ۱ ص ۲۷ طبع قسطنطنیہ سنہ ۱۳۲۶ء

اور سید جمال الدین محدث شیرازی "روضۃ الاحباب فی سیر النبی والآل والاصحاب" میں ارقام فرماتے ہیں

اما جمعے از متاخرین فن حدیث بر آنند کہ آں کس کہ در حال طفولیت وعدم تمییز پیغامبر را صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دریافتہ حدیث او مرسل است از حیثیت روایت لاکن بواسطۂ شرف رؤیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وے در جملۂ صحابہ معدود است وعمل بسیارے از ائمہ کہ در معرفت صحابہ تصانیف دارند دلالت بریں می کند زیرا کہ مثل محمد بن ابی بکر صدیق را در عداد صحابہ ذکر کردہ اند وحال آنکہ پیش از وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسہ ماہ وچند روز متولد شدہ [1]	متاخرین محدثین کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ جس شخص نے بحالت طفولیت سن تمیز کو پہنچنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پایا اس کی حدیث روایت کی حیثیت سے تو مرسل ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم کی رویت کا جو شرف ان کو حاصل ہے اس کی بنا پر ان کا شمار صحابہ کی جماعت میں ہوگا۔ اور بہت سے وہ ائمہ جنہوں نے صحابہ کے حالات میں کتابیں لکھی ہیں ان کا عمل بھی اسی بات کو بتلاتا ہے چنانچہ ان حضرات نے محمد بن ابی بکر صدیق جیسے (کمسن لوگوں) کو بھی صحابہ کے زمرہ میں ذکر کیا ہے حالانکہ ان کی ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے صرف تین ماہ اور چند روز پہلے ہوئی تھی۔

اس وقت بھی صحابہ کے حالات میں جتنی کتابیں چھپ کر آئی ہیں ان سب میں حضرت محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر صحابہ کے زمرہ میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

۱ - الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ از حافظ امام ابو عمر یوسف بن عبد البر المتوفی ۴۶۳ھ

۲ - اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ از حافظ عز الدین ابو الحسن علی بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۳۰ھ حافظ ابن الاثیر نے ان کے ترجمہ کے آخر میں یہ بھی تصریح کر دی

[1] ج ۲ ص ۴ طبع مطبع منشی محمد تیغ بہادر لکھنو ۱۲۹۷ھ

ہے کہ ابن مندہ، ابو نعیم اصفہانی اور ابن عبد البر حدیث کے ان تینوں اماموں نے معرفۃ الصحابہ پر جو تالیفات کی ہیں ان سب میں ان کا تذکرہ لکھا ہے

۳- تجرید اسماء الصحابہ از امام حافظ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ

۴ - الاصابہ فی تمییز الصحابہ۔ از حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ

حافظ صاحب ممدوح نے ان کا مفصل ترجمہ الاصابہ کی قسم ثانی میں من لہ رؤیۃ (جن کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے) کے زیر عنوان کیا ہے۔ اور "تقریب التہذیب" میں فرماتے ہیں:

(س فق)، محمد بن ابی بکر الصدیق ابو القاسم لہ رؤیۃ وقتل سنۃ ثمان وثلاثین وکان علی یثنی علیہ	(س ق[1]) محمد بن ابی بکر صدیق ابو القاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، ۳۸ھ ہجری میں ان کو قتل کر دیا گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کی تعریف کیا کرتے تھے۔

غور فرمایئے جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی شخصیت ان کی ثناخواں ہو تو اب اس کے بعد پھر اور کس کی شہادت درکار ہے۔ ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

اور حضرت علی کی یہ تعریف بلا وجہ نہ تھی ان سے زیادہ ان کے حال کا اور کون واقف ہوگا، یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ ان کی والدہ ماجدہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا قدیم الاسلام صحابیہ ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کی والدہ سے نکاح کر لیا تھا اس لئے انہوں نے حضرت ممدوح ہی کے آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں

[1] "س" سے اشارہ امام نسائی کی طرف ہے اور "فق" سے امام ابن ماجہ کی کتاب التفسیر کی طرف جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان دونوں کتابوں میں ان کی حدیث منقول ہے۔

ونشأ محمد فی حجر علیؑ لانه کان تزوّج امه (الاصابہ)

محمد، حضرت علی ہی کی آغوشِ تربیت میں پلے بڑھے کیونکہ انھوں نے ان کی والدہ سے نکاح کرلیا تھا

اور حافظ ابن الاثیر جزری کے الفاظ ہیں :

وتزوج علیؑ بامه اسماء بنت عمیس بعد وفاة ابی بکر وکان ابوبکر تزوّجها بعد قتل جعفر بن ابی طالب وکان ربیبه فی حجره (اسد الغابہ)

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ان کی والدہ ماجدہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد نکاح کرلیا تھا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے نکاح حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے بعد کیا تھا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لے پالک تھے اور ان ہی کے آغوشِ تربیت میں ان کی نشوونما ہوئی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کی تعریف فرمانا ان کی ریاضت اور عبادت کی بنا پر تھا۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبر "کتاب الاستیعاب" میں ان کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وکان علیؑ بن ابی طالب یثنی علی محمد بن ابی بکر ویفضله لانه کانت له عبادة واجتهاد

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی تعریف اور فضیلت اس لئے بیان کیا کرتے تھے کہ یہ عبادت وریاضت میں سرگرم رہتے تھے۔

یہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ شریکی اور حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ماں شریکی بھائی تھے۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان سے ایسی محبت تھی کہ انھیں اپنے بیٹے اور حقیقی بھائی کی طرح سمجھتی تھیں۔ شیعیانِ عثمان نے مصر میں ان کو قتل کر کے ان کی لاش کو ایک مردہ گدھے کے پیٹ میں رکھ کر جلا دیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب اس وحشیانہ حرکت کی اطلاع پہنچی تو آپ شدتِ غم سے بے تاب ہوگئیں۔ چنانچہ حافظ ابن الاثیر لکھتے ہیں :

ولمّا بلغ عائشة قتله اشتد علیها وقالت کنت اعدّه ولدًا واخًا ومذ أُحرق لم تاکل عائشة لحمًا مشویًا۔ [1]

اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے قتل کئے جانے کی اطلاع ملی تو آپ کو سخت قلق ہوا اور فرمانے لگیں میں تو اس کو اپنا بیٹا اور بھائی سمجھتی تھی اور جب سے ان کو نذر آتش کیا گیا حضرت ام المومنین نے بھنا ہوا گوشت تناول نہیں فرمایا

اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے الفاظ ہیں :

ولما بلغ عائشة قتله حزنت علیه جدًّا وتولت تربیة ولده القاسم فنشأ فی حجرها فکان من افضل اهل زمانه۔ [2]

اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے قتل کی خبر ملی تو آپ کو بہت ہی زیادہ اس کا صدمہ ہوا۔ اور پھر ان کے صاحبزادہ قاسم کو خود اپنے پاس رکھ کر ان کی تربیت کی چنانچہ وہ ان ہی کی آغوشِ تربیت میں پل کر اپنے زمانہ کے افضل ترین لوگوں میں ہوتے ہیں

قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ اس پایہ کے بزرگ تھے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اپنے بعد ان ہی کو اپنا جانشیں بنانا چاہتے تھے۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے بھائی کے قتل کئے جانے کا جو صدمہ ہوا اس کا حال آپ پڑھ چکے۔ اب ان کی والدہ ماجدہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل پر اپنے جوان سال صاحبزادے کے ساتھ اس وحشت ناک سلوک کی خبر سن کر کیا بیتی وہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے ان الفاظ سے معلوم کیجئے، فرماتے ہیں :

فلما بلغ قتل ولدها محمد بمصر قامت الی مسجد بیتها وکظمت غیظها حتی تشخبت ثدیاها دمًا۔ [3]

جب ان کو اپنے صاحبزادے محمد کے مصر میں قتل کر دیے جانے کی خبر ملی تو اٹھ کر سیدھی اپنے گھر کی مسجد میں چلی گئیں اور اپنے غم وغصہ کو ایسا ضبط کیا کہ ان کی دونوں پستانوں سے دودھ کی بجائے خون جاری ہوگیا۔

---

[1] اسد الغابہ [2] الاصابہ [3] الاصابہ ترجمہ حضرت اسماء بنت عمیس

اب ذرا سوچئے تو محمد بن ابی بکر کس باپ کے بیٹے ہیں اور کس بیٹے کے باپ ہیں، کس ماں کے فرزند ہیں، کس بہن کے بھائی ہیں، کس کے آغوشِ تربیت میں پلے ہیں، کس فضیلت کے مالک ہیں۔ یہ وہی محمد بن ابی بکر ہیں جن کو ایک نہیں دو خلیفہ راشدین یعنی امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ولایتِ مصر کے لئے نامزد کر کے روانہ کیا تھا۔ حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دولتِ ایمان سے مشرف ہونا انھیں کے والد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوتِ ایمان کا مرہونِ منت ہے۔ اور پھر ان کی کس کس طرح تحقیر کی جارہی ہے، اور ان کو کس کس طرح متہم کیا جارہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کو بدنام کرنے میں ناصبی اور رافضی دونوں برابر کے شریک ہیں۔ ناصبی ان سے اس لئے خفا ہیں کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لے پالک ہیں، اور رافضی اس لئے کہ وہ حضرت ابوبکر کے صاحبزادے ہیں ناصبی کہتے ہیں کہ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خفیہ آلۂ کار تھے اور انھوں نے انھیں کے اشارہ پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہاتھ ڈالا تھا اور رافضیوں کی غوغا آرائی ہے کہ یہ مومنین شیعہ میں سے تھے اور جن مومنین صحابہ نے حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کئے یہ ان میں پیش پیش تھے۔ دونوں پارٹیوں نے اپنے اپنے غلط دعاوی کا اس شدت سے پروپیگنڈا کیا کہ بھولے سنی سُنی سنائی بات پر یقین کرنے لگے۔

علماء محدثین نے تصریح کی ہے کہ صحابہ کرام کا کوئی فرد اس گھناؤنے جرم کا مرتکب نہیں ہوا۔ چنانچہ امام حافظ تقی الدین سبکی المتوفی ۷۵۶ھ فرماتے ہیں:

اعتقادنا ان امام الحق کان عثمان و انہ قُتل مظلومًا، وحمی اللہ الصحابۃ من مباشرۃ قتلہ، فالمتولی قتلہ کان شیطانا مریدًا، ثم

ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام برحق تھے، آپ مظلوم شہید کئے گئے حق تعالیٰ نے صحابہ کرام کو آپ کے قتل کے ارتکاب سے محفوظ رکھا لہٰذا جس نے بھی اس فعلِ شنیع کا ارتکاب کیا وہ شیطان نافرمان تھا۔ پھر صحابہ میں سے

لا یحفظ عن احد منھم الرضا بقتلہ انما المحفوظ الثابت عن کل منھم انکار ذلک[1]

کسی ایک فرد کا بھی آپ کے قتل پر راضی ہونا ثابت نہیں بلکہ اس کے برخلاف ان سے اس پر انکار ثابت اور محفوظ ہے۔

اتنا ہی نہیں بلکہ علماء محققین نے نام لے کر ان دونوں حضرات کے متعلق خونِ عثمان سے برأت کی شہادت دی ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

واما ما یذکرہ بعض الناس من ان بعض الصحابۃ اسلمہ ورضی بقتلہ فھٰذا لا یصح عن احد من الصحابۃ انہ رضی بقتل عثمان رضی اللہ عنہ بل کلھم کرھہ ومقتہ وسب من فعلہ۔ ولکن بعضھم کان یود لو خلع نفسہ من الامر کعمار بن یاسر ومحمد بن ابی بکر وعمرو بن الحمق وغیرھم[2]۔

اور یہ جو بعض لوگ ذکر کرتے ہیں کہ بعض صحابہ نے ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا اور وہ ان کے قتل پر راضی تھے سو یہ بات کسی صحابی کے بارے میں بھی صحیح نہیں کہ وہ قتلِ عثمان سے راضی ہو بلکہ سارے صحابہ نے اس حرکت کو ناپسند کیا اور اس پر نفرین کی اور قاتل کو برا کہا۔ ہاں بعض حضرات جیسے کہ عمار بن یاسر، محمد بن ابی بکر اور عمرو بن الحمق وغیرہ ہیں ان کی یہ خواہش تھی کہ آپ خلافت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں (تو بہتر ہے)

اور حافظ ابن عبد البر "الاستیعاب" میں حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وقد نفی جماعۃ من اھل العلم والخبر انہ شارک فی دمہ۔

اہل علم اور باخبر لوگوں کی ایک جماعت نے اس امر کی نفی کی ہے کہ محمد بن ابی بکر خونِ عثمان میں شریک تھے۔

لیکن اگر اب بھی کسی کو اس پر اصرار ہو کہ یہ دونوں بزرگ قتلِ عثمان کے مجرم تھے تب بھی

---

[1] ملاحظہ ہو التقریر والتحبیر شرح التحریر از علامہ ابن امیر الحاج، ج-۲ ص ۲۶۰- طبع بولاق مصر ۱۳۱۶ھ

[2] البدایۃ والنہایہ- ج-۷ ص ۱۹۸ طبع السعادۃ مصر

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کوئی حرف نہیں آسکتا ہے کیونکہ حضرت امیر المومنین کی عدالت میں نہ تو ان کے خلاف دعویٰ دائر کیا گیا نہ ان کے خلاف کوئی شہادت پیش کی گئی

(ب)

مدیر "بینات" نے تحریر فرمایا تھا کہ :

" رہا وہ فریق جس کا عمل محاصرہ تک محدود رہا، اور انھوں نے خونِ عثمان سے ہاتھ رنگین نہیں کئے ان کی حیثیت باغی کی تھی خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی آخری لمحہ تک ان کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دی "

اس پر آپ نے لکھا ہے کہ :

" لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ ترکِ قتال کی خود توضیح ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمائی ہے

فقال عثمان فاما ان اخرج فاقاتل فلن اکون اول من خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی امتہ یسفك الدماء[1]

یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ " رہی یہ بات کہ میں نکل کر ان سے جنگ کروں تو یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد آپ کی اُمت میں خونریزی شروع کرنے والا پہلا خلیفہ میں ہوں "

آپ نے یہ سطور لکھ کر مدیر "بینات" کے اس دعوی کی تائید فرمائی کہ "حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آخری لمحہ تک ان کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دی " البتہ ان کے خلاف تلوار نہ اٹھانے کی وجہ حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی زبانی یہ نقل کی کہ "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آپ کی امت میں خون بہانے والا پہلا شخص میں بننا نہیں چاہتا" حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تصریح سے اولاً تو یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ خارج از اسلام نہ تھے، امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں داخل تھے اور صحیح بخاری میں تو یہ بھی مذکور ہے کہ

---

[1] ازالۃ الخلفاء ج ۲ ص ۲۴۳

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجدِ نبوی میں جب ان لوگوں نے زبردستی نماز پڑھانی شروع کر دی تھی تو لوگوں کو ان کی اقتداء میں جماعت سے پڑھنے کی بھی اجازت دے دی تھی[1]

دوسرے یہ کہ ان سے ترک قتال جائز تھا اور قتال کرنا واجب نہ تھا ورنہ آپ ہرگز یہ عذر پیش نہ کرتے، کیونکہ اقامتِ حدود اللہ میں یہ عذر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اب سوچئے کہ ان محاصرین کے خون کا احترام عین حالتِ محاصرہ میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں اس قدر ہے کہ وہ اب بھی ان کا خون بہانے کے روادار نہیں۔ اور آپ بھی اس سلسلہ میں حضرت امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو موردِ الزام بنانے کے لئے تیار نہیں اور نہ وہ موردِ الزام بن سکتے ہیں اور نہ کسی نے بنایا ہے تو پھر اگر امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محاصرہ ختم ہو جانے، فتنہ فرو ہو جانے اور بیعت کر لینے کے بعد ان محاصرین کی جان و مال سے تعرض نہ کیا تو اب اس میں طعن کی کیا بات ہے۔ عین بغاوت و محاصرہ کی حالت میں تو ان کی خونریزی سے اجتناب کرنا مستحسن ہوا اور بغاوت فرو ہو جانے اور اطاعت کر لینے کے بعد ان کا قتل کرنا واجب ہو یہ آخر عقل و شرع کے کس قاعدہ کے مطابق ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو ان محاصرین کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو ان کے پیش رو خلیفہ راشد نے کیا تھا اگر یہ عمل مستحسن تھا تو دونوں حضرات کو خراجِ تحسین پیش کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس باب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے پیرو تھے اور ان کا عذر ان سے بھی زیادہ قوی کہ فتنہ فرو ہو چکا تھا اور فساد ختم ہو گیا تھا۔ اور اگر ان محاصرین سے ترکِ قتال پر بازپرس ضروری ہے تو پھر پہلے اعتراض حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی پر کیجئے کہ سارا قصہ ان ہی کے عہد خلافت کا ہے۔ حضرت علی کو کیوں موردِ الزام بنایا جائے۔

(ج)

مدیر "بینات" نے تحریر فرمایا تھا کہ :

---

[1] ملاحظہ ہو صحیح بخاری " باب اذا لم یتم الامام واتم من خلفہ "

"یاد رہے کہ میں یہاں صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقف کی وضاحت کر رہا ہوں"

اس پر آپ نے لکھا ہے کہ

"مناسب تو یہ تھا کہ اس نازک ترین مسئلہ کے دونوں پہلو واضح کر دیتے کیونکہ آپ کی اس تحقیق کے بعد حضرت ام المومنین الحمیرا سلام اللہ تعالیٰ علیہا اور حلیم امت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیثیت بالکل ہی مجروح ہو جاتی ہے جو کہ شان صحابہ کے سراسر منافی ہے"

کسی صحابی سے کسی غلطی کا سرزد ہونا یا کسی گناہ کا صادر ہو جانا اس کی شان کے ہرگز منافی نہیں۔ اہل سنت بجز انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کسی اور کو معصوم نہیں سمجھتے۔ روافض البتہ اپنے ائمہ کی عصمت کے قائل ہیں اور ان کے بالمقابل نواصب کا یہ عقیدہ ہے کہ ان حضرات صحابہ سے خطا نہیں ہوتی جنہوں نے حضرت علی مرتضٰے رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی تھی۔ اہل سنت کے نزدیک یہ دونوں عقیدے صحیح نہیں سورۂ یوسف میں برادرانِ یوسف کا ذکر تو آپ نے پڑھا ہی ہوگا وہ سب حضرات نبی زادے بھی تھے اور نبی کے صحابی بھی۔ احادیث کی کتابوں میں کتاب الحدود میں صحابہ ہی کے بعض افراد پر حدود کے اجراء کا بھی آپ کو علم ہوگا۔ ان میں بعض ایسے صحابہ بھی ہیں جن کا شمار سابقین اولین میں ہے۔ اور ایسے بھی کہ جن کے جنتی ہونے کی بشارت خود زبانِ نبوت نے دی ہے جیسے حضرت ماعز اسلمی اور حضرت غامدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ پھر اگر بعض صحابہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ یا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف غلطی سے بغاوت کر دی تو ان کی حیثیت بالکل ہی مجروح کیوں ہو گئی؟ اور شانِ صحابہ کے سراسر منافی کیوں ٹھیری؟ زیادہ سے زیادہ یہی تو کہا جائیگا کہ وہ غلطی پر تھے۔ مولانا عبد الحلیم شرر غیر مقلد تھے وہ جو چاہیں لکھیں، میں حنفی ہوں۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ان حضرات کے باب میں یہ ہے

ماقاتل احدٌ علیًا الّا وعلیٌ اولی بالحق منه، ولولا ماسار علیٌ فیهم ما علم احدٌ کیف السیرة فی المسلمین۔[1]

جس نے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی نسبت حق پر تھے اور اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے جنگ کر کے نہ بتلاتے تو کسی کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ مسلمان باغیوں سے کس طرح جنگ کی جاتی ہے

اور

لاشك ان امیر المؤمنین علیًا انما قاتل طلحة والزبیر بعد ان بایعاه وخالفاه[2]

اس میں کوئی شک نہیں کہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یقیناً حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ان دونوں کے آپ سے بیعت کرنے اور آپ کی اطاعت کا عہد کر لینے کے بعد خلاف ورزی کرنے پر ان سے جنگ کی تھی

یہ دونوں اقوال امام حسن بن زیاد نے امام اعظم سے نقل کئے ہیں اور امام صاحب کے دوسرے شاگرد نوح بن دراج امام صاحب سے ناقل ہیں کہ:

قال ابو حنیفة وسئل عن یوم الجمل فقال سار علیٌ فیه بالعدل وهو علّم المسلمین السنة فی قتال اهل البغی[3]

امام ابو حنیفہ نے فرمایا جب کہ آپ سے جنگ جمل کے بارے میں سوال کیا گیا تھا۔ آپ نے کہا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا طریقہ اس جنگ میں بالکل حق و انصاف پر مبنی تھا اور انھوں نے ہی مسلمانوں کو سکھایا کہ باغیوں سے جنگ کرنے کا سنت کے مطابق کیا طریقہ ہے۔

اور امام صاحب کے تیسرے شاگرد بکیر بن معروف، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے راوی ہیں

لوشهدنا عسکر علی بن ابی طالب و

اگر ہم حضرت علی بن ابی طالب اور معاویہ کی لشکر کشی کے

---

[1] مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ موفق بن احمد مکی ج ۲ ص ۸۳ طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۲۱ھ

[2] ایضاً ج ۲ ص ۸۴

[3] مناقب الامام الاعظم ج ۲ ص ۸۴

معاویة لکنا مع علی رضی اللہ عنہ علی معاویة۔[1]

موقع پر ہوتے تو ہم معاویہ کے خلاف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ دیتے

اور حافظ عبد القادر قرشی، الجواہر المضیہ میں قاضی محمد بن احمد بن موسیٰ خازن المتوفی ۳۶۱ھ کے ترجمے میں ان کا یہ بیان نقل کرتے ہیں :

سمعت عمی (علی بن موسی القمی) سمعنا اباسلیمان الجوزجانی سمعت محمد بن الحسن یقول لولم یقاتل معاویة علیاً ظالماً متعدیا باغیا کنا لا نهتدی لقتال اهل البغی

میں نے اپنے چچا علی بن موسیٰ قمی سے سنا وہ فرماتے تھے ہم نے ابوسلیمان جوزجانی سے سنا وہ کہتے تھے ہم نے امام محمد بن الحسن شیبانی کو یہ فرماتے سنا کہ اگر معاویہ حضرت علی کے خلاف بغاوت کر کے ظلم و زیادتی کے مرتکب ہو کر قتال نہ کرتے تو ہم کو یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ باغیوں سے جنگ کس طرح کی جاتی ہے[2]

اور یہ صرف ائمہ حنفیہ ہی کی تصریح نہیں بلکہ ائمہ شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے ۔

چنانچہ امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری المتوفی ۴۰۵ھ ہجری اپنی کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" کی النوع العشرون میں "معرفۃ فقہ الحدیث" کے زیر عنوان امام ابن خزیمہ صاحب الصحیح سے حدیث

تقتل عمارا الفئة الباغية

حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باغی جماعت قتل کرے گی

کے ذیل میں ان کی فقہی بصیرت کی مثال میں بطور نمونہ ان کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں :

قال ابوبکر فنشهد ان کل من نازع امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فی خلافتہ فهو باغ، علی هذا ادرکت مشائخنا وبه قال ابن ادریس رضی اللہ عنہ

امام ابوبکر بن خزیمہ فرماتے ہیں کہ (اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے) اب ہم یہ شہادت دیتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس نے حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے عہد خلافت میں نزاع کی وہ باغی ہے ہم نے اپنے مشائخ کو اسی عقیدہ پر پایا ہے۔ اور یہی قول امام محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے

[1] مناقب الامام الاعظم ج ۲ ص ۸

[2] یاد رہے صاحب ہدایہ نے کتاب القضاء میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ امام محمد کی اسی تصریح پر مبنی ہے

اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کی خصوصیت نہیں سارے ائمہ اہل سنت اس بارے میں یک زبان ہیں چنانچہ علامہ عبد الباقی زرقانی "شرح المواہب اللدنیہ" میں رقمطراز ہیں :

قال الامام عبد القاهر الجرجانی فی کتاب الامامة اجمع فقهاء الحجاز والعراق من فریقی اهل الحدیث والرأی منهم مالك والشافعی وابوحنیفة والاوزاعی والجمهور الاعظم من المسلمین والمتکلمین علی ان علیاً مصیب فی قتاله لاهل صفین کما هو مصیب فی اهل الجمل وأن الذین قاتلوه بغاة ظالمون له لکن لا یکفرون ببغیهم وقال الامام ابو منصور الماتریدی اجمعوا علی أن علیا کان مصیباً فی قتال اهل الجمل طلحة والزبیر وعائشة بالبصرة و اهل صفین معاویة وعسکره وفی روض السهیلی ان عاملاً لعمر قال له رأیت اللیلة کأن الشمس والقمر یقتتلان ومع

امام عبد القاہر جرجانی "کتاب الامامہ" میں فرماتے ہیں کہ حجاز و عراق کے تمام فقہاء کا خواہ ان کا تعلق اہل حدیث سے ہو یا اہل رائے سے ان میں امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ، امام اوزاعی اور مسلمانوں کا سواد اعظم اور سب متکلمین شامل ہیں ان سب کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفین کی جنگ میں حق پر تھے بالکل اسی طرح جس طرح وہ جنگ جمل میں حق پر تھے اور جن لوگوں نے حضرت ممدوح سے جنگ کی وہ بغاوت و ظلم کے مرتکب ہوئے لیکن اس بغاوت سے وہ کافر نہیں ہوئے۔ اور امام ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں کہ علمائے اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرات طلحہ و زبیر و عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف جنگ جمل میں جو بصرہ میں ہوئی حق بجانب تھے اور صفین میں بھی حضرت معاویہ اور ان کے لشکر سے جنگ کرنے میں حق پر تھے۔ امام سہیلی کی "الروض الانف" میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک گورنر نے ان کی خدمت میں آکر اپنا یہ خواب بیان کیا کہ آج کی شب میں نے

كل نجوم قال عمر مع ايهما كنت قال مع القمر قال كنت مع الآية الممحوة اذهب لا تعمل لى ابدًا وعزله فقتل بصفين مع معاوية و اسمه حابس بن سعد[1]

یہ دیکھا کہ سورج اور چاند دونوں میں لڑائی ہوئی اور دونوں کے ساتھ ساتھ ستارے بھی ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے دریافت کیا کہ تم کس کے ساتھ تھے کہنے لگے میں تو چاند کے ساتھ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم تو مٹنے والی نشانی کے ساتھ تھے اس لئے اب تم چلدو میری حکومت میں اب تمہیں کبھی کوئی عہدہ نہیں ملنے کا چنانچہ آپ نے ان صاحب کو گورنری سے معزول کر دیا، اور پھر ان کا انجام یہ ہوا کہ حضرت معاویہ کا ساتھ دے کر صفین میں قتل ہوئے، ان کا نام حابس بن سعد تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے اس خواب کی جو تعبیر دی وہ اس آیتِ شریفہ پر مبنی ہے۔ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً (اور ہم نے بنائے رات اور دن دو نمونے پھر مٹا دیا رات کا نمونہ، اور بنا دیا دن کا نمونہ دیکھنے کو) رات کا نمونہ چونکہ تاریک اور مٹا ہوا ہوتا ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو فرمایا کہ تم مٹے ہوئے نمونے کے ساتھ ہو اس لئے میری خلافت میں تم کسی عہدہ کے قابل نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تعبیر سے حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقانیت اپنی تمام جنگوں میں روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی۔

اور آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "حلیمِ امت" لکھا ہے کیا یہ کسی حدیث میں آیا ہے؟ یاد رکھئے خلفائے راشدین کے حلم سے امیر معاویہ کے حلم کو کیا نسبت؟ حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں:

[1] شرح المواہب اللدنیہ ج ۷ ص ۲۲۱ - طبع مصر ۱۳۲۸ھ

قيل لشريك القاضي: كان معاوية حليمًا؟ فقال: ليس بحليم من سفه الحق وقاتل عليًا[1]

قاضی شریک سے کسی نے کہا کہ کیا معاویہ حلیم تھے؟ کہنے لگے جو علی مرتضیٰ سے ناحق جنگ کرے وہ حلیم نہیں ہو سکتا

(د)

اس کے بعد آپ لکھتے ہیں:

"آپ کی اس تحقیق پر مجھے اپنی کج فہمی یا کم فہمی کے باعث چند خدشات ہیں حضرت زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مطالبہ کیا

'یا علی انا قد اشترطنا اقامة الحدود وان هؤلاء القوم قد اشتركوا فی دم هذا الرجل'[2]

اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"یا اخوتاه[3] انی لست اجهل ما تعلمون ولكن كيف اصنع بقوم يملكوننا ولا نملكهم"[4]

اس جواب سے باغیوں کے انقیاد و اطاعت کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے کہ وہ کس درجہ پر مطیع و فرماں بردار تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب کا یہ مختصر جملہ آپ کی تحقیق کی بھی تکذیب کرتا ہے، اس جواب سے یہ امر بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخذِ قصاص کے مطالبہ کو مبنی برحق سمجھتے تھے۔"

اس روایت کی سند تاریخ طبری میں جو مذکور ہے وہ یہ ہے:

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۳۲ طبع بیروت۔ ترجمۂ معاویہ۔

[2] اے علی ہم نے یہ شرط رکھی تھی کہ حدود کو قائم کیا جائے گا، اور یہ لوگ اس شخص (عثمان) کے خون میں شریک رہ چکے ہیں۔ [3] بھائیو جس بات کا تمہیں علم ہے میں بھی اس سے ناواقف نہیں لیکن میں ان لوگوں کا کیا کر سکتا ہوں جو ہم پر قابو یافتہ ہیں اور ہمارا ان پر قابو نہیں چلتا۔

[4] طبری ج ۳ ص ۴۵۸ بحوالہ "عادلانہ دفاع" ص ۱۴۳ ج ۲

وکتب الیّ السری عن شعیب عن سیف عن محمد وطلحۃ قالا

جنگ جمل پر محمد بن عمر واقدی، اور سیف بن عمر تمیمی دونوں کی مستقل تصنیفیں ہیں امام طبری، واقدی کی تصانیف کو اپنے استاد حارث بن ابی اسامہ کے واسطے سے ابن سعد سے روایت کرتے ہیں جو واقدی کے مشہور شاگرد ہیں اور سیف کی تصانیف کو اپنے شیخ سری بن یحیی کے واسطہ سے شعیب بن ابراہیم رفاعی سے جو سیف کی کتابوں کے ان سے راوی ہیں۔ چنانچہ تاریخ طبری میں متعدد مقامات پر یہ سند بالتفصیل مذکور ہے، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں

کتب الیّ السری بن یحیی عن شعیب بن ابراھیم عن
سیف بن عمر عن محمد وطلحۃ وزیاد باسنادھم قالوا[1]

اس روایت میں سری اور شعیب کا نسب مذکور ہے، دوسری جگہ محمد اور طلحہ کے نسب کا ذکر ہے جو یہ ہے

کتب الیّ السری عن شعیب عن سیف بن عمر عن محمد بن
عبداللہ بن سواد وطلحۃ بن اعلم وزیاد بن سرجس
الاحمری قالوا[2]۔

اب اس سند کی کیفیت ملاحظہ فرمایئے۔ امام طبری کے شیخ سری بن یحیی تو بے شک صدوق ہیں جیسا کہ ابن ابی حاتم نے "کتاب الجرح والتعدیل" میں تصریح کی ہے۔ لیکن سری کے شیخ شعیب بن ابراہیم جو سیف سے ان کی کتابوں کے راوی ہیں مجہول ہیں، چنانچہ امام ذہبی "المغنی فی الضعفاء" میں لکھتے ہیں

" شعیب بن ابراھیم الکوفی، الراوی عن سیف کتبہ فیہ جہالۃ"

اور اپنی دوسری تصنیف "میزان الاعتدال" میں فرماتے ہیں :

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۴۵۲ طبع دار المعارف مصر ۱۹۶۲ء وایضاً ص ۴۵۰

[2] تاریخ طبری ج ۳ ص ۴۴۴

" شعیب بن ابراھیم الکوفی راوی کتب سیف عنہ فیہ جہالۃ[1] "

اتنا ہی نہیں بلکہ حافظ ابن حجر نے "لسان المیزان" میں حافظ ذہبی کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد اس پر یہ قیمتی اضافہ اور کیا ہے کہ

ذکرہ ابن عدی وقال لیس بالمعروف ولہ احادیث واخبار وفیہ بعض النکرۃ وفیھا ما فیہ تحامل علی السلف۔	ابن عدی نے ان کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ جانے پہچانے ہوئے نہیں ہیں۔ ان کی جو حدیثیں اور خبریں ہیں ان میں کچھ منکر (اوپری) ہیں اور ان روایات میں ایسی روایتیں بھی ہیں جن میں سلف پر حملے ہیں۔

غور فرمائیں تو ان ہی روایات میں یہ روایت بھی آتی ہے جو آپ نے پیش کی ہے۔

اور سیف بن عمر تمیمی بھی جن سے شعیب بن ابراہیم کوفی ان کی تالیفات کو روایت کرتے ہیں، واقدی کی طرح مشہور ضعیف الروایہ ہیں۔ حافظ ذہبی نے "المغنی فی الضعفاء" میں ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے

سیف بن عمر التمیمی الاسدی لہ تو الیف متروک باتفاق وقال ابن حبان اتھم بالزندقۃ، قلت ادرک التابعین وقد اتھم قال ابن حبان یروی الموضوعات.	سیف بن عمر تمیمی اسدی ان کی متعدد تالیفات ہیں، باتفاق متروک ہیں۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ ان پر زندیق ہونے کا الزام ہے میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ انہوں نے تابعین کو پایا ہے مگر متہم ہیں، ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ موضوعات (گڑھی ہوئی روایات) روایت کرتے ہیں

---

[1] ہم نے "میزان الاعتدال" کی یہ عبارت "لسان المیزان" سے نقل کی ہے۔ میزان کا جو نسخہ مصر میں مطبع السعادۃ میں ۱۳۲۵ھ میں طبع ہوا ہے اس میں عبارت مسخ ہو گئی ہے تصحیح کر لی جائے۔ اسی طرح ابن الندیم کی کتاب الفہرست میں بھی اس مقام پر عبارت غلط ہو گئی ہے اور چونکہ اس غلطی پر اس کے مترجم صاحب متنبہ نہ ہوتے اس لئے وہ بھی غلط ترجمہ کر بیٹھے۔

ان کے بارے میں کتبِ رجال میں امامِ جرح و تعدیل یحییٰ بن معین کی تصریح بھی موجود ہے کہ فلس خیر منہ (ایک پیسہ بھی اس سے زیادہ قیمتی ہے) یعنی ایک پیسے کے بھی برابر نہیں۔

خوب سوچئے اربابِ روایت کے یہاں جن کی روایت کی وقعت ایک پیسہ کے برابر بھی نہ ہو مشاجراتِ صحابہ کے باب میں ان کی روایت کیونکر قابلِ قبول ہو سکتی ہے؟

اور سیف کے اساتذہ محمد بن عبداللہ بن سواد اور طلحہ بن الاعلم کے بارے میں کاتب الحروف کو کچھ معلوم نہ ہو سکا کیونکہ ان کا تذکرہ رجال کی متداول کتابوں میں باوجود تلاش کے نہ مل سکا۔ پھر محمد و طلحہ کے بعد کم از کم دو راوی اور ہونے چاہئیں جن کا کچھ نام و نشان نہیں کہ وہ کون تھے، کس خیال کے تھے، کس پارٹی سے تعلق رکھتے تھے، ان کے بار ے میں جب تک تحقیق نہ ہو جائے، سُنی سنائی باتوں پر کیوں کر اعتبار ہو۔

یہ بحث تو روایات کے اعتبار سے ہوئی۔

درایت کے لحاظ سے نظر ڈالی جائے تو خلیفہ وہی ہوتا ہے جو صاحبِ اقتدار ہو اور جو خود دوسروں کے قابو میں ہو وہ احکام شرع کا خاک نفاذ کریگا اس کی حیثیت تو یرقالین کی ہوگی جو ہر وقت دوسروں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح ناچتا رہے گا۔ پھر کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ محض حبِ جاہ کی وجہ سے عہدۂ خلافت سے چمٹے رہے؟ کہ شریعت کا حکم نافذ نہیں کر سکتے حدود اللہ معطل ہیں اور بہ اطمینان سے خلیفہ بنے بیٹھے ہیں

ناصبی حضرات حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے بارے میں یہی تاثر دینا چاہتے ہیں ہم تو کسی خلیفہ راشد کے بارے میں بھی اس قسم کا تصور نہیں کر سکتے پھر حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے شجاع و روزگار و مجاہد تہور شعار کا کیا ذکر کہ جن کی شجاعت کے آگے شیر نیستاں کی حیثیت بھی گربہ مسکیں سے زیادہ نہیں۔ عہدِ نبوی کا کونسا غزوہ ہے جہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شجاعت کے جوہر نہ دکھائے ہوں۔ خود ان کے عہد خلافت میں جن لوگوں نے ان سے بغاوت کی ان کا کیا حشر ہوا، خوارج نے جان پر کھیل کر مقابلہ کیا آخر سب مارے گئے۔ جنگ جمل میں کس زور کا رن پڑا، سب کو

معلوم ہے۔ شجاعانِ عرب نے جان کی بازی لگائی مگر ہزیمت کھائی۔ صفین میں بغاۃ شام بڑے ساز و سامان سے آئے۔ بڑی بہادری اور بے جگری سے لڑے مگر اپنی شکست کا یقین ہوتے دیکھ کر آخر قرآن کریم کو نیزوں پر اٹھاتے بن آئی۔ ایسے بلند حوصلہ شجاع و باہمت اور یکہ تاز میدان بسالت کے بارے میں یہ تصور دینا کہ وہ خلیفہ ہو کر اہل حل و عقد کے ان سے بیعت کر لینے اور مہاجرین و انصارِ مدینہ کے ان کے جاں نثار ہونے کے باوجود چند نفر قاتلینِ عثمان کے قابو میں تھے اور ان کے سامنے ایسے بے بس تھے کہ ان کا توان پر زور چلتا تھا مگر یہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے۔ ہماری سمجھ سے بالکل بالاتر ہے۔ جن حضرات کی عقل رسا میں یہ بات سمائے وہ شوق سے اس کو اپنے دل و دماغ میں جگہ دیں۔

اور یہ بھی سوچئے کہ جب حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ عذر جو آپ نے نقل کیا مان لیا تھا کیونکہ اسی روایت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان حضرات سے گفتگو کا یہ فقرہ بھی مذکور ہے کہ

فھل ترون موضعاً لقدرة علی شیٔ مما تریدون قالوا لا؟ جس چیز کے تم خواہشمند ہو اس پر قدرت پانے کا موقع کہیں تم کو نظر آتا ہے؟ کہنے لگے نہیں

تو پھر ان کو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے آخر اختلاف کی کیا وجہ تھی؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ انھوں نے دیدہ و دانستہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوت کو کمزور کیا۔ اور حدود اللہ کے نفاذ میں ان کے ساتھ کوئی تعاون نہیں کیا ورنہ کہنا چاہئے تھا کہ ہم ہر طرح جانبازی کو حاضر ہیں۔ ان معدودے چند افراد کی کیا حقیقت ہے جو آپ کے کام میں رخنہ ڈال سکیں۔ ہمارے نزدیک توسیف کی یہ روایت نہ روایت کے معیار پر صحیح اترتی ہے نہ درایت کے معیار پر، محض بے اصل افواہ ہے ہاں یہ بالکل صحیح ہے کہ

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخذِ قصاص کے مطالبہ کو مبنی برحق سمجھتے تھے"

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو خلیفہ راشد تھے یہ تو ہر ادنیٰ مسلمان بھی جانتا ہے کہ خونِ ناحق میں قصاص ہوتا ہے۔ یہ کتاب اللہ کا فیصلہ ہے۔ لیکن اگر قاتل خود موقع پر

قتل ہوجائے تو اب کیا اس کی لاش سے قصاص لیا جائے گا یا قاتل موقع واردات سے فرار ہوجائے، اس کو کوئی جانتا پہچانتا نہ ہو، اس کے خلاف کوئی شہادت فراہم نہ ہو عدالت شرع میں قضیہ پیش نہ ہو۔ اولیاء مقتول نہ قاتل کے خلاف دعوٰی دائر کریں نہ شہادت پیش کریں تو ایسی صورت میں روافض کے اصول پر تو بے شک امام کے ذمے قاتل سے قصاص لینا واجب ہونا چاہیے کیونکہ وہ اپنے ائمہ کو عالم الغیب والشہادہ مانتے ہیں اور جب امام عالم غیب ٹھیرا تو اس کو قاتل کا اتہ پتہ سب کچھ معلوم ہوگا۔ یہ بھی اس کو معلوم ہوگا کہ قاتل زندہ ہے یا مر گیا ہے۔ زندہ ہے تو کس کونے کھدرے میں چھپا ہے۔ غرض ان کے اصول پر تو چونکہ امام پر ہر چیز کا ظاہر و باطن سب آشکارا ہوتا ہے، اس لئے وہ اس کو ہر جگہ سے جہاں بھی ہو پکڑوا کر بلوا سکتا اور کیفر کردار پر پہنچا سکتا ہے لیکن اہل سنت جو حضرت مرتضٰی رضی اللہ تعالی عنہ کو عالم الغیب والشہادہ نہیں مانتے ان کے نزدیک تو قصاص کا مطالبہ اسی وقت صحیح ہوسکتا ہے جب قاتل معلوم ہو اور اس کے خلاف شرعی شہادت موجود ہو۔ اب جب امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے قاتل جو دو چار نفر سے زائد نہ تھے عین موقع پر قتل ہوگئے یا موقع واردات سے فرار ہو کر رات کی تاریکی میں غائب ہوگئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ ان مُردوں کو کس طرح زندہ کرتے یا ان نامعلوم قاتلوں کو کہاں سے تلاش کر کے لاتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے ولی الدم ان کی شہادت کے بعد تمام کے تمام مدینہ چھوڑ کر شام کو جا چکے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی عدالت میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی اولاد میں سے نہ کسی متنفس نے قاتلوں کے خلاف کوئی دعوٰی دائر کیا نہ کسی قسم کی کوئی شہادت پیش کی۔ اس بارے میں سیدھا سادھا آئینی اور قانونی طریقہ وہی تھا جو قاضی ابوبکر بن العربی نے "العواصم والقواصم" میں بیان کیا ہے کہ

وای کلام یکون لعلی۔ لما تمت البیعة له۔ لو حضر عنده ولی عثمان وقال له

اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کیا کہتے جس وقت ان کی بیعت مکمل ہوئی تھی اگر اسی وقت حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کا کوئی ولی الدم آپ

ان الخلیفة قد تمالأ علیه الف نسمة حتی قتلوه وهم معلومون ماذا کان یقول الا اُثبت وخذ۔ وفی یوم کان یثبت، الا ان یثبتوهم ان عثمان کان مستحقاً للقتل، وبالله لتعلمن یا معشر المسلمین انه ما کان یثبت علی عثمان ظلم أبداً وکان الوقت امکن للطالب وارفق فی الحال وایس وصولاً الی المطلوب[1]۔

کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے یہ عرض کرتا کہ خلیفہ وقت پر ایک ہزار آدمی بلوہ کر کے چڑھ آئے اور ان کو قتل کر ڈالا اور قاتل سب معلوم ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے اس کے سوا کیا فرماتے کہ دعوٰی ثابت کرتے جاؤ اور قصاص لیتے جاؤ اور ایک ہی روز میں یہ سب کچھ ثابت کیا جاسکتا تھا الّا یہ کہ بلوائی یہ ثابت کر دیتے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالے عنہ قتل کئے جانے کے مستحق تھے۔ اور بخدا اے گروہ مسلمین تم سب جانتے ہو کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں یہ کبھی ثابت نہیں کیا جاسکتا تھا کہ انھوں نے ظلم کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ موقع طالب قصاص کے لئے بر وقت تھا حالت بھی مناسب تھی اور مقصد برآری اس صورت میں زیادہ آسان تھی۔

اسی لئے قاضی موصوف نے باوجودیکہ بعض اوقات وہ نواصب کی لے میں لے ملانے لگتے ہیں آپ کی بیان کردہ حکایت کو جعلی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

فان قیل بایعوه علی ان یقتل قتلة عثمان۔ قلنا هٰذا لا یصح فی شرط البیعة وانما یبایعونه علی الحکم بالحق، وهو ان یحضر الطالب للدم ویحضر المطلوب وتقع

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے اس شرط پر بیعت کی تھی کہ وہ قاتلین عثمان کو قتل کریں گے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ بیعت میں ایسی شرط لگانا صحیح نہیں بلکہ بیعت تو حق کے مطابق حکم کرنے کے لئے کیا کرتے ہیں اور اس کی صورت یہی تھی کہ خون کا مطالبہ کرنے

[1] العواصم من القواصم ص ۱۶۷ طبع جدہ سنہ ۱۳۸۷ھ

الدعوی و یکون الجواب و تقوم البیّنۃ و یقع الحکم، فاما علی الھجم علیہ بما کان من قول مطلق او فعل غیر محقق او سماع کلام، فلیس ذلک فی دین الاسلام (ص ۱۴۵ و ۱۴۶)

والا عدالت میں حاضر ہوتا مدعا علیہ موجود ہوتا دعویٰ دائر ہوتا، جواب سنا جاتا، گواہی پیش ہوتی اور پھر فیصلہ ہوتا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف ہجوم کر کے خالی خولی باتیں بنانے یا بغیر تحقیق کئے کچھ کر گزر جانے، یا لوگوں کی باتیں اس سلسلے میں سننے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

"تاریخ اسلام کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محاصرین کے پیہم اصرار کے باوجود ان کے اس مطالبہ کو یکسر رد کر دیا کہ مروان کو ان کے سپرد کر دیا جائے وہ کہتے تھے کہ ایک طرف آپ نے محمد بن ابی بکر کو مصر کی گورنری کا پروانہ دیکر ہمارے ساتھ مدینہ سے روانہ کیا تھا۔ دوسری طرف راہ میں آپ کا غلام ملا جو بیت المال کے اونٹ پر سوار تھا اس کی تلاشی لینے پر اس کے پاس سے آپ کا یہ فرمان ملا کہ جب یہ وفد مصر پہنچے تو وفد کے تمام اراکین کو بشمول محمد بن ابی بکر تہ تیغ کر دیا جائے۔ اس فرمان پر آپ کی مہر بھی ہے۔ مہر آپ کے میر منشی مروان کے پاس تھی۔ ہمیں آپ کی صفائی قبول ہے آپ فرماتے ہیں غلام میرا ہے، اونٹ بیت المال کا ہے۔ اس فرمان پر مہر بھی میری ہے مگر مجھے اس امر کی کوئی اطلاع نہیں۔ نہ میں نے یہ فرمان لکھا نہ اس پر مہر کی تو اب ظاہر ہے یہ حرکت آپ کے کاتب السر (پرائیویٹ سکرٹری) مروان کی ہے۔ لہذا اسے ہمارے سپرد کیجئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یقین تھا کہ جیسے ہی مروان کو ان لوگوں کے سپرد کیا گیا یہ اس کی صورت دیکھتے ہی اشتعال میں آکر اس کا سر قلم کر دیں گے۔ چونکہ مروان کے خلاف اس سلسلہ میں کوئی شرعی شہادت موجود نہ تھی اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے مطالبہ کو نظر انداز کر دیا۔ آخر محاصرہ نے طول کھینچا اور جو ہونا تھا ہو کر رہا۔ غور فرمایئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک متنفس کی جان بچانے کے لئے اپنی جان قربان کر دی

اور محاصرین کا غلط مطالبہ منظور نہ کیا۔ پھر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کیسے سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کو بغیر کسی شرعی ثبوت کے طالبین قصاص کی شمشیر انتقام کے نیچے دیدیتے ہاں خون عثمان کے قصاص کا مطالبہ کرنے والے اگر قاتلوں کو نام بنام متعین کر کے ان کے خلاف قتل کی شرعی شہادت فراہم کر دیتے تو بلاشبہ ان کا موقف صحیح ہوتا۔ مگر محاصرین عثمان کی طرح محاربین علی نے بھی امیر المومنین کی ایک نہ سنی۔ البتہ حضرت طلحۃ الخیر اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ غایت اخلاص کی بات ہے کہ عین میدان جنگ میں جس لمحے بھی ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا انھوں نے اپنے اپنے گھوڑوں کی باگیں پھیر دیں اور میدان مصاف سے ہٹ گئے۔ صدیقین کا یہی مقام ہوتا ہے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ساری عمر اپنی اس غلطی پر پچھتاتی رہیں۔ لیکن آج کل کے ناصبی اس بارے میں خود حضرت امیر المومنین کے تخطیہ کے درپے ہیں۔ جنگ جمل پر ہی غور کیجئے کہ کیا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے جنگ ختم ہو جانے کے بعد ان لوگوں میں سے کسی فرد کے خلاف بھی جو آپ کے مقابلہ میں شمشیر و سنان لیکر اترے تھے کبھی کوئی باز پرس کی؟ وجہ یہی کہ باغی سے بغاوت کے فرو ہو جانے کے بعد اثناءِ بغاوت میں جو کچھ قصور بر بناء بغاوت سرزد ہو اس کی باز پرس نہیں ہوا کرتی جیسے کہ مرتد سے اثناء ارتداد میں ارتداد کی بنا پر جو جرم سرزد ہو دوبارہ اسلام لانے کے بعد پھر اس جرم پر سزا نہیں ملے گی

(ھ)

آپ نے لکھا ہے کہ :

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے موقف کی وضاحت خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح فرمائی ہے ابو سلامۃ الدالانی نے آپ سے پوچھا اتری لھؤلاء القوم حجۃ فیما طلبوا من ھٰذا الدم ان کانوا ارادوا اللہ عزوجل بذلک قال نعم قال فتری لک حجۃ بتاخیرک ذلک قال نعم[1] (طبری ج ۳ ص ۵۰۹ بحوالہ عادلانہ دفاع ج ۲ ص ۱۵۵)"

[1] یعنی آپ کی کیا رائے ہے یہ لوگ جو خون عثمان کے انتقام کا مطالبہ کر رہے ہیں اگر ان کا یہ مطالبہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے ہے تو کیا اس سلسلہ میں ان کے پاس کوئی حجت موجود ہے آپ نے فرمایا ہاں میں نے عرض کیا پھر آپ نے جو اس مطالبہ کو موخر کر رکھا ہے تو آپ کے پاس بھی اس کے لئے کوئی حجت ہے؟ فرمایا ہاں۔

امام طبری نے یہ روایت بھی سیف بن محمد تمیمی کی کتاب "وقعۃ الجمل" سے نقل کی ہے اور اس کی سند بھی وہی بیان کی ہے جس پر ہم ابھی تفصیل سے کلام کر چکے ہیں۔ اور جو یہ ہے

"کتب الی السری عن شعیب عن سیف عن محمد وطلحۃ قالا"

یہ بڑی تفصیلی روایت ہے۔ مگر اس میں طرفین کی حجت کا کچھ بیان نہیں، جس سے بات سمجھ میں آ کہ دونوں کے دو متضاد موقف کیونکر صحیح ہیں اور ان کی صحت کی کیا دلیل ہے؟ اہل سنت تو تمام جنگوں میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حق پر سمجھتے ہیں اور ان سے لڑنے والوں کو خطا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی خطاء خطاء اجتہادی تھی یا خطاء منکر۔ بہرحال آپنے طبری کی جو روایت "عادلانہ دفاع" کے حوالہ سے نقل کی ہے اس میں تو کچھ جان نہیں واہیات ہے اور لطف یہ ہے کہ خود امام طبری نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد یہ تصریح بھی کر دی کہ اس روایت میں احنف بن قیس کے بارے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے محدثین کی روایت اس کے خلاف ہے چنانچہ ان کے الفاظ ہیں

واما الذی یرویہ المحدثون من امر الاحنف فغیر ما رواہ سیف عن ذکر من شیوخہ (ج ۴ ص ۴۹۰)

احنف کے بارے میں محدثین کی جو روایت ہے اس کے برخلاف ہے جو سیف نے اپنے شیوخ سے بیان کی ہے۔

اور یہ ابوسلامہ دالانی کون بزرگ ہیں کتبِ رجال میں تو کچھ ان کا اتہ پتہ معلوم نہیں ہوتا۔ بہرحال جو صاحب سیف تمیمی کی اس روایت کو قبول کرنا چاہیں انھیں اخ امام یحیی بن معین کی تصریح سابق میں گزر چکی ہے کہ سیف کی وقعت ایک پیسہ کے برابر بھی آپ نے اس تحریر میں ایک مقام پر شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی کتاب "ازالۃ الخ کا حوالہ دیا ہے یہ کتاب آپ کے پاس موجود ہو تو ملاحظہ فرمالیں حضرت شاہ صاحب اس میں کیا لکھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

وحضرت مرتضیٰ نیز بخطای اجتہادی حکم فرمود اخرج ابوبکر عن ابی البختری قال

اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اہل جمل کے بارے میں خطاء اجتہادی ہی کا حکم دیا چنانچہ محدث ابوبکر بن ابی شیبہ نے ابو البختری

سُئل علی عن اهل الجمل قال قیل امشرکون هم قال من الشرك فرّوا، قیل أمنافقون هم قال ان المنافقین لایذکرون الله الا قلیلا، قیل فما هم؟ قال اخواننا بغوا علینا۔ و قال علی انی لارجو ان نکون کالذین قال الله عزّ وجلّ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ حدیث له طرق متعددة اخرج بعضها ابوبکر (ج-۲ ص ۲۸۰)

روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اہل جمل کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا یہ لوگ مشرک ہیں؟ آپنے فرمایا شرک سے تو یہ بھاگ کر آئے ہیں۔ عرض کیا گیا کیا منافق ہیں؟ فرمایا منافق تو حق تعالیٰ کو بہت کم یاد کیا کرتے ہیں۔ اس پر عرض کیا گیا پھر آخر کیا ہیں فرمایا ہمارے بھائی ہیں جو ہم سے باغی ہو گئے ہیں۔ اور یہ بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ ہم سب (قیامت کے دن) ان لوگوں میں ہوں گے جن کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے (اور ان کے دلوں میں جو کدورت تھی وہ سب ہم نے نکال دی اب یہ سب تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہیں) یہ ایسی حدیث ہے جو متعدد طرق سے مروی ہے اور اس کی بعض اسانید کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے

اب ملاحظہ کیجئے آپ نے "عادلانہ دفاع" کے حوالہ سے طبری کی جو روایت نقل کی ہے اس میں اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حدیث کی مشہور کتاب مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ سے جو روایت زیبِ قرطاس فرمائی ہے دونوں میں کتنا فرق ہے۔

ببین تفاوتِ رہ از کجا است تا بکجا

(۹)

آپ نے لکھا ہے:

"حضرت قعقاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واقعہ جمل کے وقت طرفین کے درمیان جب مصالحت کی کوشش کی تو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مصالحت کے لئے یہ شرط پیش کی: قتلة عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1]

[1] یعنی قاتلینِ عثمان کا کیا ہوگا؟

آپ نے ان کے جواب میں فرمایا :

فعلی اعذر فی ترکه الآن قتل قتلة عثمان وانما اخر قتل قتلة عثمان الی ان یتمکن منهم فان الکلمة فی جمیع الامصار مختلفة[1] » (« عادلانہ دفاع » ج - ۲ ص ۱۵۱)

آپ نے یہ تحریر نہ فرمایا کہ « عادلانہ دفاع » میں حضرت قعقاع کی یہ روایت کس کتاب سے منقول ہے ۔ ہم نے اس کو تلاش کیا تو یہ عبارت حافظ ابن کثیر کی "البدایہ والنہایہ" میں ملی لیکن اصل روایت امام طبری کی « تاریخ الامم والملوک » میں ہے جو بہت طول طویل ہے ۔ ابن کثیر نے اس روایت کا حاصل مطلب لکھا ہے ۔ اس روایت کی سند بھی وہی ہے جس پر ہم پہلے بحث کر چکے یعنی "کتب الی السری عن شعیب عن محمد وطلحة باسنادهما قالا" لہٰذا ایسی واہی روایت کو مشاجراتِ صحابہ میں پیش کرنا محض لغو ہے ۔ تاہم جناب قعقاع کا اگر یہ بیان آپ کو تسلیم ہے تو یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمایت میں ہے کہ "نہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان قاتلین پر قابو حاصل تھا نہ اس وقت کے ملکی حالات اس امر کے متقاضی تھے ۔" اس لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نے ان سے قصاص لینے کا معاملہ ان پر قابو پانے اور ملکی حالات کے درست ہونے تک مؤخر کر رکھا تھا ۔ پھر جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عذر اس بارے میں معقول تھا اور شرعی اور عقلی طور پر وہ زیادہ قابلِ قبول تھا تو حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس بارے میں ایسی عجلت کیا پڑی تھی جو انہوں نے جناب قعقاع کی اس معقول بات کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا ۔ بہرحال قعقاع کے اس بیان سے جو آپ نے نقل کیا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے موقف کی صحت خوب واضح ہوئی ۔ اور جانبِ مخالف کا خطا پر ہونا بھی ظاہر ہو گیا ۔ لیکن

---

[1] یعنی پس علی اس وقت قاتلینِ عثمان کے قتل کرنے میں زیادہ معذور ہیں ۔ انھوں نے ان کے قتل کو اس وقت تک کے لئے مؤخر کر رکھا ہے کہ جب تک ان پر قابو نہ پائیں ، کیونکہ اس وقت تمام بلاد وامصار میں بات بات میں اختلاف ہے ۔

یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان نہیں ہے بلکہ جناب قعقاع نے یہ گفتگو ان حضرات سے بطور الزامی جواب کے کی تھی ۔ اگر قعقاع کا یہ بیان صحیح ہے ۔ اور ان دونوں حضرات نے بھی اس کو صحیح تسلیم کر لیا تو پھر ان کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ دینا چاہئے تھا تا کہ ان کی قوت مضبوط ہوتی نہ کہ الٹا ان سے جنگ کرنا ۔ کہ وہ کسی طرح صحیح نہ تھا ۔

(ش)

آپ نے لکھا ہے

" ان مختلف نقول سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ خود حضرت علی اور موقع پر دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اخذِ قصاص کے مطالبہ کو مبنی بر حق سمجھتے تھے ۔

میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی فقیہانہ بصیرت سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بصیرت اور ادراکِ علمی فائق ہے ، آپ اگر عمرِ نوح کی طویل مدت میں علم فقہ حاصل کریں تب بھی آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقیہانہ بصیرت کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے ۔ آپ کی تحقیق اگر صحیح ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ جواب فرماتے :

" میں کس سے قصاص لوں قاتلینِ تو مارے گئے اور باغیوں نے اطاعت قبول کر لی ہے ؟ "

آپ نے جتنی نقول پیش کیں سب واہیات ہیں ، بھلا مشاجراتِ صحابہ کے باب میں سیف اور واقدی کی روایات کی بھی کوئی وقعت ہے ؟ جناب قعقاع کا بیان آپ کے مفید نہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقف کی تائید اور اصحابِ جمل کے موقف کی تردید میں ہے ۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی "ازالۃ الخفاء" کے حوالہ سے جو آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان نقل کیا ہے وہ بھی حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے موقف کی صحت پر دلالت کرتا ہے ۔

اور مدیر "بینات" پر جو آپ یہ کہہ کر برسے ہیں کہ آپ کی فقیہانہ بصیرت سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بصیرت اور

ادراکِ علمی فائق ہے۔ آپ اگر عمرِ نوح کی طویل مدت میں علم فقہ حاصل کریں تب بھی آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقیہانہ بصیرت کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے "

سو عجیب بات ہے۔ مکتوب کے شروع میں تو آپ نے بڑی تواضع سے کام لیا، اور یہاں گھن گرج دکھائی، "بندۂ خدا مدیر بینات" نے تو اپنی طرف سے کوئی بات نہ کی وہ تو صرف فقہی مسئلہ بیان کر رہے ہیں۔ اور فقہ کے جملہ مسائل "باب البغاۃ" میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی کے طرزِ عمل اور ان ہی کے قول و فعل سے ماخوذ ہیں ورنہ آپ ہی بتائیں کہ فقہ کا یہ مسئلہ آخر کہاں سے ماخوذ ہے؟ بندۂ خدا ما و شما کی تو حقیقت کیا ہے۔ خود اصاغر صحابہ کا یہ مقام نہیں کہ وہ سابقین اولین کے فضائل کو چھو سکیں، ایک دفعہ حضرت خالد بن الولید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے مابین کچھ درشت کلامی ہوگئی اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا وہ یہ ہے:

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان بین خالد بن الولید و بین عبدالرحمٰن بن عوف کلام فقال خالد تستطیلون علینا بایام سبقتمونا بہا۔ فبلغنا ان ذلک ذکر للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال دعوا لی اصحابی فو الذی نفسی بیدہ لو انفقتم مثل احد او مثل الجبال ذھبًا ما بلغتم اعمالھم رواہ احمد و رجالہ رجال الصحیح [۱]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت خالد بن الولید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان کچھ سخت گفتگو ہوئی۔ اس پر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے نکل گیا کہ تم چند دن پہلے ہم سے اسلام لے آئے تو اب ہمارے خلاف زبان کھولتے ہو۔ پھر ہمیں پتہ چلا کہ اس بات کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے اصحاب کو میری خاطر چھوڑ دو قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم احد کے برابر یا پہاڑوں کے برابر بھی سونا خرچ کرو تو ان کے اعمال کو نہیں پہنچ سکتے۔ یہ روایت امام احمد نے اپنی "مسند" میں روایت کی ہے اور اس روایت کے سب راوی صحیحین کے راوی ہیں

[۱] مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۵ طبع سوم بیروت ۱۹۶۷ء

اور یہی واقعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ان الفاظ میں منقول ہیں

کان بین خالد بن الولید و عبد الرحمٰن بن عوف بعض ما یکون بین الناس فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعوا لی اصحابی فان احدکم لو انفق مثل احد ذھبًا لم یبلغ مد احدھم ولا نصیفہ رواہ البزار و رجالہ رجال الصحیح غیر عاصم بن ابی النجود وقد وثق [۱]

حضرت خالد بن ولید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان کچھ خفگی ہوگئی جو لوگوں میں ہو ہی جایا کرتی ہے تو اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میری خاطر میرے اصحاب کو چھوڑ دو کیونکہ تم میں سے کوئی شخص اگر احد کے برابر بھی سونا خرچ کرے گا تو ان کے ایک یا آدھے مد کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس روایت کو بزار نے اپنی "مسند" میں روایت کیا ہے اور اس روایت کے راوی صحیحین کے راوی ہیں بجز عاصم بن ابی النجود کے اور ان کی بھی توثیق کردی گئی ہے۔

اب ذرا اس پر غور فرمائیے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کس قدر بڑھ چڑھ کر ہے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتبہ حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں کس قدر کمتر ہے۔ پھر جب ان دونوں حضرات کے بارے میں زبانِ رسالت کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر خالد سیف اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوہ احد کے برابر بھی سونا خرچ کریں تو وہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مد تو کیا نصف مد یعنی ایک رطل سونے کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ تو اب حضرت مرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین جو فرق مراتب ہے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیرِ اعظم ہیں تو ان کے مقابلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیثیت ایک جھلملاتے ستارے کی ہے، پھر اقضی الامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقیہانہ بصیرت کے مقابلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تفقہ کی کیا حیثیت ہے اور حضرت معاویہ

[۱] مجمع الزوائد ج ـ ۱۰ ص ۱۵ طبع سوم بیروت ۱۹۶۷ء

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فضائل وکمالات اور دینی فہم وفراست میں بھلا حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا نسبت کہ اہل البیت ادریٰ بمافیہ ۔ مولانا محمد منظور نعمانی مدیر ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ نے اس دور کے اہل سنت کے مشہور عالم عبدالشکور صاحب لکھنوی علیہ الرحمۃ جن کی ساری عمر ردِ روافض میں گزری ہے ان کے غیر معمولی اعتدال کو بیان کرتے ہوئے اس باب میں ان کا کتنا صحیح اور متوازن فیصلہ نقل کیا ہے جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں :

"صرف ایک مقولہ نقل کرتا ہوں جو مولانا سے میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ۔ ایک موقع پر حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابقین اولین کی پہلی صف کے بھی اکابرین میں ہیں، اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی مرتضیٰ رضؓ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر صف نعال (جوتوں) میں بھی حضرت معاویہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لئے سعادت اور باعثِ فخر ہے ["[1]

اور یہ مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کی رائے نہیں خود اکابرِ صحابہ کا فیصلہ بھی یہی ہے ۔ امیرالمومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گورنر حابس بن سعد کا خواب سن کر جو تعبیر دی تھی اور ان کو ہمیشہ کے لئے اپنے عہدہ داروں کی فہرست سے خارج کر دیا تھا وہ امام سہیلی کی "الروض الانف" کے حوالہ سے آپ پڑھ چکے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دھلوی نے "ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء" میں خلافت خاصہ کے لوازم پر بڑی عمدہ اور تفصیلی بحث کی ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے منجملہ ان لوازم کے ایک یہ بھی ہے کہ مشاہد خیر جیسے غزوہ بدر وغیرہ میں بھی شرکت ہو۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

[1] ملاحظہ ہو "محمود احمد عباسی اپنے عقائد ونظریات کے آئینے میں" از سید علی مطہر نقوی ص ۱۵۷ و ۱۵۸۔ شائع کردہ "ادارۂ تحفظِ ناموسِ اہل بیت کراچی"

ومبتنی برہمیں اصل است کلامے کہ ابن عمر مہیا کردہ بود کہ با معاویہ بن ابی سفیان بگوید احق بھذا الامر منک من قاتلک و قاتل اباک علی الاسلام

اخرجہ البخاری

اور اسی اصول پر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وہ بات مبنی ہے جو انھوں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان سے کہنے کے لئے سوچی تھی کہ تمہاری نسبت خلافت کا حق تو اس کا ہے کہ جس نے تم سے اور تمہارے باپ سے[1] اسلام کی سربلندی کے لئے جنگ کی تھی (پھر علی کے مقابلے میں تمہارا کیا حق بنتا ہے) یہ صحیح بخاری کی روایت ہے

وکلام عبدالرحمن بن غنم اشعری فقیہ شام چون ابوہریرہ وابودرداء از نزدیکِ حضرت مرتضےٰ برگشتند وایشان میانجی بودند میانِ معاویہ وحضرت مرتضےٰ ومعاویہ طلب میکرد کہ خلافت بگذارد وشوریٰ گرداند درمیانِ مسلمین فکان مما قال لھما عجبًا منکما کیف جاز علیکما ما جئتما بہ تدعوان علیا ان یجعلھا شوری وقد علمتما انہ قد بایعہ المھاجرون والانصار واھل الحجاز

اور اسی بنا پر فقیہ شام عبدالرحمن بن غنم رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا جب حضرت ابوہریرہ وابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے پلٹ کر آئے تھے ۔ یہ دونوں حضرات حضرت معاویہ وحضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین درمیانی واسطہ تھے ۔ معاویہ کا مطالبہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت سے دست بردار ہو کر اس معاملہ کو مسلمانوں میں شوریٰ کے سپرد کر دیں تو حضرت عبدالرحمن بن غنم نے ان دونوں حضرات سے کہا کہ آپ جو کچھ کر رہے ہیں اس پر تعجب ہے آپ کے لئے یہ کیسے جائز ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کی دعوت دیں کہ وہ معاملہ شوریٰ کے سپرد کر دیں؟ حالانکہ آپ کو علم ہے کہ علی سے مہاجرین و انصار

[1] "صحیح بخاری" اور "الاستیعاب" دونوں کتابوں کی ان روایات سے پتہ چلا کہ قبل از اسلام باپ کے ساتھ بیٹے بھی حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلسل برسرِ جنگ رہے ہیں۔

...العراق وان من رضیہ خیر ممن کرھہ ، ومن بایعہ خیر ممن لم یبایعہ ، وایّ مدخل لمعاویۃ فی الشوری وھو من الطلقاء الذین لا یجوز لھم الخلافۃ ، وھو وابوہ رؤس الاحزاب فندما علی مسیرھما وتابا بین یدیہ اخرجہ ابو عمر فی الاستیعاب (ج - ۱ ص ۱۱ و ۱۲)

اور اہل حجاز و عراق بیعت کر چکے ہیں اور جو حضرات علی کو پسند کرتے ہیں وہ ان لوگوں سے بہتر ہیں جو ان کو پسند نہیں کرتے اور جنہوں نے ان سے بیعت کی ہے وہ ان سے بہتر ہیں جنھوں نے ان سے بیعت نہ کی ، اور معاویہ کا بھلا شوریٰ میں کیا دخل وہ تو "طلقاء"[1] میں سے ہیں جو خلافت کے اہل نہیں ، اور معاویہ اور ان کے باپ تو غزوۂ احزاب میں کفار کے سربراہ رہ چکے ہیں ۔ یہ سن کر دونوں حضرات نے ان کے سامنے اپنی آمد پر ندامت کا اظہار کیا اور اس بات سے توبہ کی ، امام ابو عمر بن عبد البر نے اس روایت کو "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" میں نقل کیا ہے ۔

اس پر بھی نظر ڈالئے کہ معرکۂ صفین میں طرفین سے کتنے بزرگ کس کے ساتھ تھے علامہ محدث محمد بن عبد الباقی زرقانی "شرح مواہب لدنیہ" میں رقمطراز ہیں :

فخرج الیہ علی فی اھل العراق فی سبعین الفاً فیھم تسعون بدریاً وسبع مائۃ من اھل بیعۃ الرضوان واربع مائۃ من سائر المھاجرین والانصار وخرج معاویۃ فی اھل الشام فی خمسۃ وثمانین الفاً لیس فیھم من الانصار الا النعمان بن بشیر ومسلمۃ بن مخلد (ج ۵ ص ۲۱۶)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت معاویہ کی طرف اہل عراق کا ستر ہزار کا لشکر لے کر نکلے جن میں نوے بدری صحابہ ، سات سو وہ صحابہ جو بیعت رضوان میں موجود تھے ۔ اور چار سو صحابہ بقیہ مہاجرین و انصار میں سے تھے ۔ ادھر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام سے پچاسی ہزار فوج لے کر چلے جن میں بجز حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے انصار میں سے بھی کوئی نہ تھا (اصحاب بدر ، اصحاب بیعت الرضوان میں سے کسی کے شریک ہونے کا تو کیا سوال ؟)

[1] "طلقاء" وہ لوگ ہیں جو فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور ابھی ضعیف الایمان تھے ۔

اور خود قرآن کا فیصلہ ہے

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ط اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا ط وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی

برابر نہیں تم میں جس نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جنگ کی ، ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان جنھوں نے اس کے بعد خرچ کیا اور جنگ کی اور سب سے اللہ تعالیٰ نے خوبی کا وعدہ کیا ہے

اب ظاہر ہے کہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں ہیں ، اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے اکیس سال بعد فتح مکہ کے موقع پر اسلام لاتے ہیں پھر دونوں کا باہمی مقابلہ کیا ۔ اور جنگِ صفین کے بارے میں تو خود حدیث متواتر نے فیصلہ کر دیا کہ حضرت مرتضےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پہ تھے اور ان سے لڑنے والے باغی و خاطی ، پھر اس باب میں حضرت معاویہ کو حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل لانا خالص ناصبیت ہے جو نصِ قرآن و سنتِ متواترہ کے خلاف ہے ۔ خوب یاد رکھئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کو حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر فضیلت دینا جس کا نام "تشیع"[1] " ہے اس بدعت سے کہیں کم ہے جس کا نام "ناصبیت" ہے ۔ یعنی حضرت معاویہ کو حضرت علی کے مقابلہ میں ترجیح دینا ۔ کیونکہ حضرت مرتضےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو سوابق اسلامیہ میں حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ برابر کے شریک ہیں اور ان ہی کی صف کے آدمی ہیں ۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو سرے سے نہ مہاجر ہیں نہ انصاری ، سابقین اولین کا تو ذکر ہی کیا بلکہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے بغاوت کر کے وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ کی فضیلت سے بھی محروم رہے ۔ پھر ان کا اور حضرت مرتضیٰ کا باہمی مقابلہ کیا ؟

ہاں حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یقیناً سابقین اولین میں داخل ہیں اور انھیں اکابر کی صف میں شامل ہیں جن میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہیں ۔ بس بات اتنی ہے کہ باغیوں سے ترک قتال کے مسئلہ میں جس طرح حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

[1] رفض نہیں کہ وہ کفر تک پہنچا دیتا ہے ۔

کو شرح صدر ہوا ان حضرات کو نہ ہو سکا۔ جیسے مانعینِ زکوٰۃ سے قتال کے مسئلہ میں جس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شرح صدر ہوا تھا خود حضرت فاروق اعظم اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نہیں ہو سکا تھا اور یہ دونوں حضرات اس وقت باصرار تمام صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان سے قتال کرنے سے مانع تھے۔ لیکن بعد میں مسئلہ ان دونوں حضرات کی بھی سمجھ آگیا اور مانعینِ زکوٰۃ سے قتال پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ یہی صورت یہاں پیش آئی۔ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفقہ فی الدین اور مسائلِ قضاء کے علم میں اس وقت جتنے بھی صحابہ روئے زمین پر موجود تھے ان سب پر فائق تھے اور یہ تو اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ افضل ترینِ امت ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن عبد البرؒ "کتاب الاستیعاب" میں لکھتے ہیں :

ما اجتمع علیہ اھل السنۃ من السلف والخلف من اھل الفقہ والاثر ان علیاً افضل الناس بعد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وھذا مما لم یختلفوا

تمام اہل سنت کا سلف سے لے کر خلف تک فقہاء ہوں یا محدثین اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد امت میں سب سے افضل ہیں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں اہل سنت کا سرے سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اور یہ بھی تمام فقہاء اہل سنت کی تصریح ہے کہ مسائل بغاۃ میں حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تمام امت کے قدوہ اور امام ہیں چنانچہ فقہ کی تمام کتابوں میں کتاب الجہاد والسیر میں جب "باب البغاۃ" شروع ہوتا ہے تو اس کے مسائل میں صرف حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے طرز عمل ہی سے استدلال کیا جاتا ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس سے فقہ کا کوئی طالب علم ناآشنا نہیں۔ غرض بغاۃ کے مسائل کا علم جتنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تھا اتنا امت میں کسی کو نہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے حادثہ فاجعہ نے ان حضرات کے قلوب پر بہت زیادہ اثر کیا تھا جن کے

پاس مختلف بلاد و امصار سے لوگ آ آ کر عمالِ عثمان کی شکایت کرتے تھے اور یہ حضرات ان کو لے کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے، ان کی شکایتیں پیش کرتے اور ان کے ازالہ کی کوشش کرتے تھے ان میں حضرت علی بھی تھے، حضرت طلحہ بھی اور حضرت زبیر بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنی طرف سے کسی کو بھیج کر ان کی شکایت دربارِ خلافت میں پہنچا دیا کرتی تھیں۔ محاصرینِ عثمان میں بیشتر تعداد ان ہی لوگوں کی تھی جن کی شکایات کے ازالہ کی یہ حضرات کوشش کیا کرتے تھے۔ محاصرہ کے وقت یہ کسی کو خیال بھی نہ تھا کہ نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ بعض نابکار اشتعال میں آ کر خود خلیفۂ وقت کا کام تمام کر دیں گے۔ لیکن جب یہ ناشدنی امر ہو کر رہا اور خلیفۂ عادل کو ناحق قتل کر ڈالا گیا تو ان حضرات کے دل میں یہ احساس شدت سے ابھرا کہ ہم جن لوگوں کی دربارِ خلافت میں نمائندگی کرتے رہے ہیں انھوں نے ظلم یہ کیا کہ محاصرہ کر کے خود خلیفہ ہی کو شہید کر دیا لہٰذا ان سے بازپرس ضروری ہے اور ان سے انتقام لئے بغیر ہمیں چین سے بیٹھنا نہ چاہئے۔ ورنہ قیامت میں خلیفۂ مظلوم کے خونِ ناحق کی کہیں خود ہم سے بازپرس نہ ہو۔ یہ موقف تھا اصحاب جمل کا اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف یہ تھا کہ مظاہرین اور محاصرین کے ہر فرد سے انتقام لینا صحیح نہیں بلکہ جن لوگوں نے اشتعال میں آ کر اس فعلِ شنیع کا ارتکاب کیا ہے اصل مجرم وہی ہیں اور انھیں سے قصاص لینا چاہئے۔ باقی جن لوگوں نے اطاعت کر لی اب ان سے بازپرس نہ کی جائے اور گو اس وقت وقتی طور پر حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنے موقف کی صحت پر اصرار رہا لیکن جب عین معرکہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو قائل کیا تو ان حضرات کو بھی اپنے موقف کی صحت سے رجوع کرنا پڑا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "ازالۃ الخفاء" میں لکھتے ہیں :

باز ازیں عزیزان کلماتِ دالہ بر رجوع ازیں رائے منقول شدہ۔ اخرج ابو بکر

پھر ان بزرگوں سے ایسے اقوال مروی ہیں جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ان حضرات نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا تھا۔ چنانچہ ابوبکر ابن ابی شیبہ

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت وددت انی كنت غصنا رطبا ولم اسر مسیری هذا، وقد روی بطرق متعددة ان علیا قال یوم الجمل للزبیر انشدك الله اتذكر یوما اتانا النبی صلی الله علیه وسلم وانا اناجیك فقال اتناجیه فوالله لیقاتلنك یوما وهو لك ظالم قال فضرب الزبیر وجه دابته فانصرف۔ اخرجه ابو بكر وغیره ثم قتله ابن جرموز۔ واخرج ابو بكر عن قیس قال رمی مروان بن الحكم یوم الجمل طلحة بسهم فی ركبته فجعل الدم ینفذ و یسیل فاذا امسكوه امسك و اذا تركوه سال فقال طلحة دعوه انما هو سهم ارسله الله فمات۔ واخرج

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی ہیں کہ انہوں نے فرمایا کاش میں ایک ہری بھری ٹہنی ہوتی اور اس ہنگامہ میں نہ نکلتی، نیز متعدد طرق سے مروی ہے کہ جنگ جمل کے دن حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تمہیں وہ دن یاد ہے کہ جس دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم دونوں کے پاس تشریف لائے ہیں اس وقت تم سے سرگوشی کر رہا تھا تو آپ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا تم ان سے کیا سرگوشی کر رہے ہو خدا کی قسم ایک دن ایسا آئے گا جب یہ تم سے جنگ پر کمربستہ ہوں گے حالانکہ تمہارے بارے میں یہی ظالم ہوں گے۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی حضرت زبیر نے اپنے گھوڑے کے منہ پر چابک رسید کیا اور فوراً پلٹ گئے۔ یہ روایت امام ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہ محدثین نے کی ہے۔ میدان سے پلٹ جانے کے بعد ان کو ابن جرموز نے شہید کر دیا اور یہ بھی ابوبکر بن ابی شیبہ نے قیس بن ابی حازم سے روایت کیا ہے کہ جمل کے دن مروان بن الحکم نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھٹنے میں ایسا تیر مارا کہ خون جاری ہو کر بہنے لگا لوگ جب خون پر ہاتھ رکھتے تو رک جاتا اور جیسے ہی چھوڑتے بہنا شروع کر دیتا۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الحاكم عن ثور بن مجزاة۔ قال مررت بطلحة یوم الجمل آخر رمق فقال لی ممن انت قلتُ من اصحاب امیر المؤمنین علی فقال ابسط یدك ابایعك فبسطت یدی فبایعنی وفاضت نفسه، فاتیت علیا فاخبرته فقال الله اكبر صدق رسول الله صلی الله علیه وسلم ابی الله ان یدخل طلحة الجنة الا وبیعتی فی عنقه

(ج ۲- ص ۲۸۰)

نے فرمایا چھوڑ دو یہ تیر اللہ میاں کی طرف سے آیا ہے چنانچہ اسی تیر سے آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ اور مستدرک حاکم میں ثور بن مجزاۃ سے روایت ہے کہ جنگ جمل میں میرا گزر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے ہوا ابھی ان میں زندگی کی آخری رمق باقی تھی انہوں نے مجھ سے دریافت کیا تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا امیر المومنین علی کے اصحاب میں سے ہوں فرمایا ہاتھ بڑھاؤ میں تم سے بیعت کرنا چاہتا ہوں، میں نے ہاتھ بڑھا دیا اور انہوں نے مجھ سے حضرت علی کی بیعت کر لی اور اسی دم ان کی روح بھی پرواز کر گئی میں نے حضرت علی کی خدمت میں آکر صورت حال عرض کی آپ نے فرمایا اللہ اکبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ حق تعالیٰ نے نہ چاہا کہ طلحہ میری بیعت کئے بغیر داخلِ جنت ہوں۔

اصل بات یہ ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحۂ رحلت کے ہوش ربا واقعہ نے وقتی طور پر بعض اکابر صحابہ کے دل و دماغ پر شدتِ غم سے ایسی کیفیت طاری کر دی تھی کہ وہ بعض معاملات میں بروقت صحیح فیصلہ نہ کر سکے لیکن حق تعالیٰ نے جانشینِ پیغمبر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس وقت مقامِ تمکین پر فائز رکھا اور باوجود اس کے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داغِ مفارقت کا سب سے زیادہ اثر قلبِ صدیق ہی پر تھا مگر آپ کسی مقام پر بھی شدتِ جذبات سے مغلوب نہ ہوئے اور جو مسئلہ بھی پیش آیا اس کے بارے میں بروقت صحیح فیصلہ فرمایا۔ یہی کیفیت کم و بیش حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مظلوماً شہید ہو جانے پر پیش آئی۔ کہ بہت سے حضرات اکابر صحابہ میں سے بھی اس وقت شدتِ جذبات میں صحیح فیصلہ کرنے سے

قاصر رہے مگر حضرت مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس وقت خلافتِ نبوی کے منصب پر فائز تھے ان کو حق تعالیٰ نے مقامِ تمکین پر فائز فرمایا اور جو مسئلہ بھی اٹھا بروقت اس کے بارے میں صحیح فیصلہ صادر کرنے کی توفیق ارزانی فرمائی۔ یہ الگ بات ہے کہ چونکہ آپ کی نسبت ہارونی تھی جیسا کہ صحیح حدیث میں آتا ہے انت منی بمنزلة هارون من موسٰی (تم کو تو مجھ سے وہی نسبت ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسٰی علیہ السلام سے تھی) اور حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء اولوالعزم سے تشبیہ دی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابراہیم و عیسٰی علی نبیّنا و علیہما الصلوٰۃ والسلام سے اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو حضرت نوح و حضرت موسٰی علی نبیّنا و علیہما الصلوٰۃ والسلام سے اس لئے جیسا امت کا اتحاد و اتفاق خلافتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں ظاہر ہوا حضرت مرتضٰے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں نہ ہو سکا۔ یہ ایک امرِ واقعہ ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو انبیاء اولوالعزم سے مشابہت کی بنا پر حق تعالےٰ کی طرف سے وہ تمکن و اقتدار نصیب ہوا جو حضرات ختنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نصیب نہ ہو سکا۔ اور حضرت مرتضٰے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چونکہ حضرت ہارون علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشابہتِ تامہ حاصل تھی اس لئے جس طرح حضرت موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غیر موجودگی میں امت حضرت ہارون علیہ السلام کی اتباع میں جمع نہ ہو سکی۔ حضرت مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی ان کی اقتداء میں جمع نہ رہ سکی۔ مگر اس میں حضرت مرتضٰے کرّم اللہ وجہہ کا کوئی قصور نہ تھا۔ وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ اہل سنت کے نزدیک حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے باہم فرق مراتب میں فضیلت کے اعتبار سے وہی ترتیب ہے جس ترتیب سے حق تعالیٰ نے ان کو خلافتِ نبوی کے منصبِ رفیع پر سرفراز فرمایا تھا۔ آیتِ استخلاف میں تمکن و اقتدار کے ظہور کا جو وعدۂ الٰہی تھا وہ بھی ہر خلیفہ کے عہد میں اس کے شایانِ شان ہی ظاہر ہوا ہے۔ اسی کے ساتھ اہل سنت کا یہ بھی اجماعی عقیدہ ہے

کہ حضرات ختنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرح خلیفہ راشد ہیں۔ اور بحیثیتِ خلیفہ جو بھی ان دونوں حضرات نے اقدام کیا وہ سراسر حق و صواب تھا اور اس لئے اس سلسلہ میں ان کے کسی فعل پر طعن کرنا صحیح نہیں۔ اور ان دونوں حضرات کے طرزِ عمل پر مخالفین کو جو بھی شکوک و شبہات تھے وہ مبنی بر حقیقت نہ تھے۔

(ح)

بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں باہمی فضیلت اسی ترتیب سے ہے جس ترتیب سے یہ حضرات خلافتِ نبوی کے منصب پر سرفراز ہوئے اسی طرح ان حضرات کے اعمال کا بھی حال ہے کہ افضل کے حصے میں حق تعالیٰ کی جانب سے افضل عمل عطا ہوا ہے۔ اب اس مقدمہ کی روشنی میں مسئلہ قتال پر نظر ڈالئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتالِ اہل ردّت کے امام ہیں چنانچہ مرتدین کی سرکوبی آپ ہی کے حصہ میں آئی۔ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیصر و کسریٰ کا تاج و تخت الٹا ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے باج گزاروں کو زیر کیا ہے۔ ان دونوں حضرات کے حصے میں مجوس و اہل کتاب کا قتال آیا ہے اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتالِ اہل کتاب و مجوس کے امام ہیں۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں "قتالِ بغاۃ" آیا ہے اور وہ قتالِ اہل قبلہ کے امام ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:

وکلمۂ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ منطبق است بر علی مرتضٰی، زیرا کہ در ایامِ خلافت او امرے کہ واقع شد و وے بآن متفرد بود قتالِ بغاۃ است [1]

اور آیت شریفہ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ (اور وہ لوگ کہ جب ان کے خلاف بغاوت ہو تو وہ بدلہ لیتے ہیں) حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر منطبق ہے۔ کیونکہ ان کے ایامِ خلافت میں جو خاص بات کہ واقع ہوئی اور جس کے انجام دہی میں آپ متفرد ہیں وہ "قتالِ بغاۃ" ہی ہے

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ج ۱ ص ۲۳۱ طبع لاہور ۱۳۹۶ھ

اب اس پر غور کیجئے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ کے ایامِ خلافت میں بغاوت کا ظہور کس کس فریق کی جانب سے ہوا۔ شاہ ولی اللہ صاحب "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" میں لکھتے ہیں :

اعتمادِ بندہ بر احادیثِ صحیحہ است، عن ابی ایوب الانصاری قال امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب لقتال الناکثین والقاسطین والمارقین اخرجہ الحاکم وعن ابی سعید نحو ذلک۔

بندہ کا اعتماد احادیثِ صحیحہ پر ہے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ "ناکثین" (پیمان شکن) اور "قاسطین" (ظالم) اور "مارقین" (دین سے فراریوں) سے جنگ کریں اس روایت کو حاکم نے روایت کیا ہے۔ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی مضمون کی روایت کی ہے۔

پس لفظ ناکثین وقاسطین ومارقین باظہار وصفے کہ مبیحِ قتال باشد دلالت می کند بر آنکہ این قتال حق است، وہمچنین لفظ "امر" اگر محفوظ باشد واللہ اعلم دلالت می کند بر اباحتِ قتال یا وجوبِ آن، و این ہمہ اقتضاء می کند کہ خلافتِ مرتضیٰ منعقد بود[1]۔

پس ناکثین و قاسطین ومارقین کے الفاظ جو اس وصف کو ظاہر کرتے ہیں کہ جس کی بنا پر قتال مباح ہو جاتا ہے، اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ قتال حق ہے، اور اسی طرح اگر لفظ "امر" بھی روایت میں محفوظ ہے واللہ اعلم تو وہ قتال کی اباحت یا اس کے وجوب کو بتلاتا ہے اور یہ سب امور مقتضی ہیں کہ خلافتِ مرتضیٰ منعقد ہو گئی تھی۔

اور "ازالۃ الخفاء" میں بھی فرماتے ہیں :

[1] ص ۲۸۱ طبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۰ھ

وخبر دادند کہ مرتضیٰ را با قریش مناقشات خواہد افتاد و با ناکثین ومارقین وقاسطین جنگ واقع خواہد شد، وخبر دادند کہ یکے از امہات المومنین را در فلاں جا کلاب نباح خواہند کرد و وے در بلائے خواہد افتاد و در آخر خلاص خواہد شد، وعمار بن یاسر را فئۃِ باغیہ خواہند کشت، و بر دست ادلی الناس بالحق جماعہ مارقہ ہلاک خواہند شد آیتہم رجل مشدون[1]۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریش سے جھگڑے ہوں گے، اور ناکثین ومارقین وقاسطین کے ساتھ جنگ واقع ہوگی، نیز آپ نے خبر دی کہ حضرات امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے ایک صاحبہ پر فلاں جگہ پر کتے بھونکیں گے، اور وہ ایک بلا میں پڑ جائیں گی اور آخر میں اس بلا سے گلو خلاصی ہوگی۔ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باغی جماعت قتل کر ڈالے گی اور جو جماعت سب لوگوں میں حق پر ہوگی اس کے ہاتھوں جماعت "مارقین" ہلاک ہوگی۔ اور ان "مارقین" کی نشانی یہ ہوگی کہ ان میں ایک شخص ایسا ہوگا جس کا ایک ہاتھ ناقص الخلقت ہوگا۔

"ناکثین" "وقاسطین" و "مارقین" کون تھے ان کا تعارف "قرۃ العینین" کے حاشیہ میں ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔

"ناکثین" از نکث است بمعنی عہد شکستن مراد از ان اہلِ واقعہ جمل ہستند کہ اول با علی مرتضیٰ بیعت کردند باز بیعت شکستہ با او قتال نمودند۔ ومراد از "قاسطین" اہل شام اند واز "مارقین" "خارجیان"[2]

"ناکثین" نکث سے مشتق ہے جس کے معنی عہد توڑنے کے ہیں اور ان سے مراد اہل جمل ہیں کہ جنہوں نے پہلے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی اور پھر بیعت توڑ کر ان سے جنگ شروع کر دی، اور "قاسطین" سے مراد اہل شام ہیں اور "مارقین" سے مراد خارجی ہیں

[1] ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۲۶۹ [2] حاشیہ قرۃ العینین ص ۱۴۲

اور خود شاہ ولی اللہ صاحب کے "ناکثین" اصحاب جمل کے بارے میں الفاظ یہ ہیں :

مذہبِ اشاعرہ آنست کہ خلافتِ مرتضیٰ منعقد شد بہ بیعتِ اہلِ حل و عقد از مہاجرین و انصار و طلحہ و زبیر لا نسلم کہ خروجِ ایشان بنا بر انکارِ خلافتِ مرتضیٰ باشد بلکہ خلافتِ او را مسلّم داشتند و طلب کردند قصاصِ عثمان را باستعجال و تانی نکردند تا ببینند کہ مرضی مرتضیٰ چیست ، پس ازین جہت بغی از ایشان واقع شد[1]

اشاعرہ کا مذہب یہ ہے کہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت حضرات مہاجرین و انصار میں اہل حل و عقد کے آپ سے بیعت کر لینے کی وجہ سے منعقد ہوئی ۔ اور ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا خروج کرنا اس بنا پر تھا کہ وہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے منکر تھے بلکہ آپ کی خلافت کو تسلیم کرتے ہوئے اس امر کے خواہاں تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا قصاص جلد از جلد لے لیا جائے اور اس سلسلہ میں ان حضرات نے تامل سے کام نہیں لیا دیکھتے تو سہی کہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مرضی کیا ہے ۔ پس اس بنا پر ان سے بغاوت واقع ہوئی ۔

اور "قاسطین" اہل شام کے بارے میں فرماتے ہیں :

و وقوعِ بغی از معاویہ و نصب از مروان[2]

اور معاویہ سے بغاوت سرزد ہوئی اور مروان سے ناصبیت ۔

اور اہل شام کے باغی ہونے کی تصریح تو خود حدیث صحیح متواتر میں موجود ہے چنانچہ سابق میں "ازالۃ الخفاء" کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ

عمار بن یاسر را فئۃ باغیہ خواہند کشت

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو باغی جماعت شہید کرے گی ۔

البتہ اس حدیث کے سلسلہ میں شاہ صاحب ممدوح نے ایک نکتہ کی طرف

۱؎ قرۃ العینین ص ۲۸۰   ۲؎ ایضاً ۲۸۰

متوجہ فرمایا ہے جو یہ ہے فرماتے ہیں

دریں جا باید دانست کہ در حدیث آمدہ در باب عمار تقتلہ الفئۃ الباغیۃ یدعوھم الی الجنۃ و یدعونہ الی النار و معنی حدیث نزدیک فقیر آنست کہ مرتضیٰ افضل اہل زمان خود بود در ایام خلافت خود و اگر خلافت بافضل زمان راجع شود اقامت احکام شرعیہ خوب تر صورت گیرد و اگر بافضل زمان رجوع نکنند تہاون در احکام شرعیہ واقع میشود و اول موصل است بجنت و ثانی بنار ۔ پس معنی این حدیث آنست کہ عمار ہمراہ افضل اہل زمان و احق ایشان بخلافت در وقت خود خواہد بود و چون معنی حدیث برین وجہ تقریر کردیم فضیلتِ عظمیٰ باشد در حق مرتضیٰ و طرفِ مقابل معذور باشند بسبب خطاء اجتہادی[1]

یہاں ایک نکتہ معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے "ان کو باغی جماعت قتل کرے گی یہ تو ان کو جنت کی طرف بلاتے ہوں گے اور وہ ان کو دوزخ کی طرف" اور اس حدیث کے معنی فقیر کے نزدیک یہ ہیں کہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ اپنے عہد خلافت میں سب سے افضل تھے اب اگر خلافت ایسے شخص کو ملے جو اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہو تو احکام شرع کے قائم ہونے کی سب سے اچھی صورت ہوگی، اور اگر افضل زمان کو نہ مل سکے گی تو احکام شرع کے نفاذ میں سستی نمودار ہوگی۔ اور پہلی صورت جنت میں پہنچانے والی ہے اور دوسری دوزخ میں ۔ پس اس حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے ساتھ ہوں گے جو اپنے زمانہ میں سب سے افضل اور اپنے وقت میں خلافت کے ان سب میں زیادہ حقدار ہوں گے، اور جب ہم نے حدیث کی اس طرح تقریر کی تو حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں فضیلتِ عظمیٰ ہوگی، اور طرفِ مقابل خطاء اجتہادی کے باعث معذور ٹھیرے گا ۔

اور ان کے خلف ارشد شاہ عبدالعزیز صاحب "تحفہ اثنا عشریہ" میں فرماتے ہیں

و ہمین است مذہبِ اہلِ سنت کہ حضرت امیر در مقاتلاتِ خود برحق بود و مصیب و مخالفانِ او بر غیر حق و مخطی[2]

اور اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ حضرت امیر مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی جنگوں میں برحق تھے اور ان کا موقف صحیح تھا اور ان کے مخالفین ناحق پر تھے اور خطا کار ۔

۱؎ قرۃ العینین ص ۱۳۶   ۲؎ ص ۲۱۹ طبع نول کشور لکھنؤ ۱۳۲۵ ہجری

اور دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں

ہر جاہل فارسی خوان بلکہ طفل دبستان کہ "عقائد نامہ" فارسی اہل سنت را کہ نظم مولانا عبدالرحمن جامی است خواندہ یا دیدہ باشد یقین می داند کہ اہل سنت قاطبۃ اجماع دارند بر آنکہ معاویہ بن ابی سفیان از ابتداء امامتِ حضرت امیر لغایت تفویض امام حسن باو از بغاۃ بود کہ اطاعت امام وقت نداشت و بعد از تفویض حضرت امام بدو از ملوک شد[1]۔

ہر جاہل فارسی خوان بلکہ طفل دبستان بھی کہ جس نے مولانا عبدالرحمن جامی کا "عقائد نامہ" جو انھوں نے فارسی میں اہل سنت کے لئے نظم کیا ہے پڑھا یا دیکھا ہوگا یقیناً جانتا ہے کہ تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ابتداء خلافت سے لیکر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان کو حکومت سپرد کرنے تک باغیوں میں سے تھے۔ کہ امامِ وقت کی اطاعت سے سرتابی کر رہے تھے اور پھر حضرت امام کے ان کو حکومت تفویض کرنے کے بعد وہ بادشاہ بن گئے۔

اور یہی بات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ان دونوں بزرگوں سے پہلے لکھ چکے ہیں چنانچہ "مدارج النبوت و درجات الفتوت" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے ضمن میں فرماتے ہیں

و خبر داد بمحاربہ زبیر مر علی را و پشیمان شدنِ او از آن، و بآواز کردن سگان بر بعضے ازواج وے صلی اللہ علیہ وسلم در "حواب" کہ نام موضعے است میانِ مکہ و بصرہ کہ کشتہ می شوند گرد آن کشتگان بسیار و ظاہر شدنِ این حال بر عائشہ نزد بر آمدنِ او بسوئے بصرہ در واقعہ جمل۔

اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ زبیر، علی سے لڑیں گے اور پھر اس پر پشیمان ہوں گے اور آپ کی ازواجِ مطہرات میں سے کسی پر "حواب" میں جو مکہ معظمہ اور بصرہ کے مابین ایک مقام کا نام ہے کتے بھونکیں گے اور ان کے ارد گرد بہت کثرت سے لوگ قتل ہوں گے اور یہ حال حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہوا جبکہ وہ جنگِ جمل میں "بصرہ" کی طرف روانہ ہوئیں۔

[1] تحفہ اثنا عشریہ ص ۱۸۱

و خبر داد عمار بن یاسر را کہ می کشند او را فئۃ باغیہ پس کشتند او را اصحابِ معاویہ و این خبر نزدیک بتواتر است[1]۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کہ ان کو باغی لوگ شہید کر ڈالیں گے۔ چنانچہ معاویہ کی فوج نے ان کو قتل کر ڈالا اور یہ حدیث تواتر کے قریب ہے

اور اس سے کچھ پہلے ارقام فرماتے ہیں:

بعد از آں خلیفہ مطلق و امام برحق علی مرتضیٰ شد کرم اللہ وجہہ ولیکن مردم قدر و مرتبہ او را نشناختند و براہ خلاف و نزاع مے رفتند و کمر بمخالفتِ او محکم بربستند پس شد آنچہ شد۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

پھر ان (حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بعد خلیفہ مطلق و امام برحق حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہوئے لیکن لوگوں نے آپ کی قدر و منزلت کو نہ پہچانا اور آپ کے خلاف و نزاع کی راہ پر چل پڑے اور آپ کی مخالفت پر شدت کے ساتھ کمربستہ ہوگئے، پھر تو جو ہونا تھا ہو کر رہا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

تورپشتی کہ از علمائے فقہ و حدیث و حنفی المذہب است در کتاب عقائد نوشتہ است کہ مخالفانِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سہ قسم اند جماعہ او را نشناختند و قومی محبتِ دنیا ورزیدند و جمع خطا در اجتہاد کردند، و گفتہ ست در عائشہ صدیقہ و طلحہ و زبیر جز این اعتقاد نتوان کرد[2]

علامہ تورپشتی کہ جن کا شمار علمائے فقہ و حدیث میں ہے اور حنفی المذہب ہیں انھوں نے عقائد پر جو کتاب لکھی ہے اس میں فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالفین کی تین قسمیں ہیں ایک جماعت[3] نے تو ان کو پہچانا ہی نہیں[4] اور کچھ لوگوں نے دنیا کی محبت اختیار کی اور ایک جماعت سے اجتہاد میں خطا ہوئی۔ علامہ ممدوح

[1] "مدارج النبوۃ" ج ۔ ۱ ص ۲۵۱ طبع نول کشور کان پور ۱۹۰۴ء

[2] "مدارج النبوۃ" ج ۔ ۱ ص ۲۴۹ [3] کہ وہ کس بلند مقام پر فائز ہیں۔ غالباً خوارج مراد ہیں [4] غالباً اہل صفین مراد ہیں۔

نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ، طلحہ وزبیر
رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں بجز خطا اجتہادی
کے اور کچھ اعتقاد نہیں رکھنا چاہیے۔

اب جب ثابت ہو گیا کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اہل سنت کے نزدیک خلیفہ راشد ہیں اور اپنی تمام جنگوں میں برسرِ حق اور مصیب ہیں اور جن لوگوں نے ان سے جنگ کی وہ خطا پر تھے اور قتالِ بغاۃ کے باب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسب تصریح فقہاء کرام تمام امت کے قدوہ و امام ہیں چنانچہ صاحب "ہدایہ" نے "باب البغاۃ" میں تصریح کی ہے کہ

وھو القدوۃ فی ھٰذا الباب	اس باب میں حضرت علی مرتضیٰ ہی پیشوا ہیں

تو اب باغیوں سے جنگ و صلح دونوں امور میں حسب فرمانِ نبوی

علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین	تم پر لازم ہے کہ میری سنت کی پیروی کرو اور خلفاء راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں ان کی سنت پر عمل کرو۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی ضروری ٹھہری۔

یاد رہے اہل سنت کے نزدیک بجز انبیاء کے کوئی معصوم نہیں، اس مسئلہ میں اصحاب جمل و اصحاب صفین کا موقف یقیناً صحیح نہ تھا۔ لہٰذا حضرت ام المؤمنین حمیراء اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس باب خاص میں غلطی سرزد ہو جانے سے ان کی شانِ صحابیت بالکل مجروح نہیں ہوتی۔ حضرت علی کریم اللہ تعالیٰ وجہہ اپنے عہدِ خلافت میں تمام معاصرین صحابہ میں افضل و اعلیٰ و اتقیٰ و افقہ تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی "تقریب التہذیب" میں فرماتے ہیں

علی بن ابی طالب بن عبد المطلب الھاشمی ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و زوج بنتہ، من السابقین الاولین، المرجح انہ اول من اسلم، وھو احد العشرۃ، مات فی رمضان سنۃ اربعین، وھو یومئذ افضل الاحیاء من بنی آدم بالارض باجماع اھل السنۃ ولہ ثلاث و ستون سنۃ علی الارجح۔	علی بن ابی طالب بن عبد المطلب ہاشمی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ابن عم، اور آپ کے داماد، سابقین اولین میں سے ہیں۔ راجح یہی ہے کہ آپ سب سے پہلے اسلام لائے۔ اور آپ ان دس حضرات میں سے ہیں جن کو جیتے جی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے۔ آپ کی وفات رمضان ۴۰ھ ہجری میں ہوئی، اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ روئے زمین پر اس وقت جتنے انسان بھی بقید حیات تھے آپ ان سب سے افضل تھے راجح قول کے مطابق وفات کے وقت آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔

خوب سمجھ لیجیے جس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں سب صحابہ میں افضل و اعلم تھے اسی طرح حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اپنے زمانۂ خلافت میں تھے لہٰذا جس طرح حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت نہ کرنا صحیح نہ تھا اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت نہ کرنا صحیح نہ تھا اور جس طرح حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا و علیٰ ابیہا کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میراثِ نبوی کا مطالبہ کرنا صحیح نہ تھا اسی طرح حضرت حمیراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مطالبۂ قصاص صحیح نہ تھا ان حضرات کو چاہیے تھا کہ پہلے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے بیعت کرتے پھر قاتلینِ عثمان سے قصاص کا مطالبہ رکھتے اور اگر ان کے علم میں قاتل متعین تھے اور ان کے خلاف شرعی شہادت موجود تھی تو وہ دربارِ خلافت میں پیش کرتے۔ مقتول کے قاتلوں سے قصاص لینے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ عدالت میں قاتلوں کے خلاف دعویٰ دائر کر کے ثبوت میں گواہ پیش کیے جائیں۔ اس کے بغیر خلیفۂ وقت کے خلاف جنگ چھیڑ دینا سراسر بغاوت ہے۔ اور خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ اس بغاوت کا جس طرح بھی بن سکے استیصال کرے۔

(ط)

اب ہم اصل مسئلہ کی طرف لوٹتے ہیں کہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خونِ ناحق کا قاتلین سے آخر قصاص کیوں نہ لیا اور اس کی اصل وجہ کیا تھی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" میں اس کے حسب ذیل چار وجوہ بیان کئے ہیں فرماتے ہیں

در تاخیرِ قصاص چندین وجہ نقل کردہ اند	تاخیر قصاص کے بارے میں کئی وجہیں نقل کرتے ہیں
یکے آنکہ در آن وقت مقدورِ حضرت مرتضیٰ نبود بسبب کثرت آن جماعہ وقوتِ ایشان	ایک یہ کہ اس جماعت کی کثرت وقوت کی بنا پر ایسا کرنا حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بس کی بات نہ تھی۔
دیگر آنکہ وارثان دم قصاص را بوجہ آن طلب نکردند می بایست کہ پیش مرتضیٰ می آمدند و دعوی خود را عرض می کردند، نہ آنکہ فوجے جمع کنند و بمقابلہ مہیا شوند۔	دوسری یہ کہ وارثوں نے قاعدہ کے مطابق اس کا مطالبہ ہی نہیں کیا ان کو چاہیے تھا کہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آکر اپنا دعویٰ پیش کرتے نہ کہ فوج جمع کر کے مقابلہ پر آمادہ ہو گئے۔
سوم آنکہ قاتل بعینہ معلوم نبود زیرا کہ در وقت قتل ذی النورین قاتلان حاضر بودند یا اہل خانۂ ذی النورین لاغیر، قاتلان چرا اظہار قاتل بکنند و گواہی اولیاء مقتول حجت نیست۔	تیسری یہ کہ قاتل بعینہ معلوم نہ تھے کیونکہ حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے وقت یا تو قاتل موجود تھے یا ان کے اہل خانہ ان کے سوا اور کوئی وہاں موجود نہ تھا۔ اب قاتلوں کو کیا پڑی تھی جو وہ کسی قاتل کو بتاتے اور اولیاءِ مقتول کی گواہی حجت نہیں۔
چہارم آنکہ آن جماعہ بغات بودند، و در وقت خلافتِ مرتضیٰ	چوتھی یہ کہ یہ جماعت باغی تھی جب حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے بغاوت

رجوع کردند بطاعتِ خلیفہ و شاید مذہب مرتضیٰ آن باشد کہ چون باغی رجوع کند بروے مواخذہ قتلے کہ در زمانِ بغی کردہ است ثابت نمی شود مانندِ حربی کہ مسلمان شود	سے باز آکر خلیفۂ وقت کی اطاعت کرلی تھی اور غالباً حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ جب باغی بغاوت سے باز آجائے تو بغاوت کے زمانے میں اس نے جو خون کیا اس کا مواخذہ نہیں ہوا کرتا جیسے کافر حربی جب اسلام لے آئے تو اس سے پھر باز پرس نہیں ہوتی
(ص ۲۷۹)	

ان میں سے پہلی وجہ تو ہمارے نزدیک قطعًا درخورِ اعتنا نہیں کہ اس کی بنیاد سیف وغیرہ کی جمع کردہ ان افواہوں پر ہے جن کا نہ سر ہے نہ پیر اور ان پر ہم تفصیل سے کلام کرچکے ہیں کہ یہ بات نہ روایت کے اعتبار سے صحیح ہے نہ درایت کے لحاظ سے سمجھ میں آتی ہے۔ باقی تینوں وجہیں اپنی جگہ پر بالکل درست اور صحیح ہیں۔ وارثینِ عثمان میں سے کسی ایک فرد نے بھی خونِ عثمان کا قصاص لینے کے لئے عدالتِ شرع کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا اور نہ ان لوگوں نے جو ولی الدم ہونے کے دعویدار تھے بلکہ فوج کشی کر کے خلیفۂ وقت کے مقابلہ پر آموجود ہوئے اس پر بھی حضرت امیر المومنین علی مرتضےٰ کرّم اللہ وجہہ نے صبر و تحمّل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا بلکہ اتمامِ حجت کے لئے جمل و صفین کے قائدین کے سامنے یہی بات رکھی کہ قاتلینِ عثمان کا نام و نشان تو بتائیے۔ خود بیعت کیجئے اور میری عدالت میں ان کے خلاف دعویٰ دائر کیجئے۔ جنگِ جمل میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس سلسلہ میں آپ سے جب قصاصِ ذی النورین کا مطالبہ کیا تو آپ نے ان سے یہی فرمایا کہ

ارینی قتلة عثمان[1] — مجھے بتلائیے تو قاتلینِ عثمان ہیں کہاں ؟

یہ بھی امرِ واقعہ ہے کہ جنگِ جمل میں حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے جنگ کی ابتداء نہیں ہوئی تھی بلکہ جیسا کہ امام طحاوی نے "معانی الآثار" میں جناب زید بن وہب سے روایت کیا ہے، جنگ کا آغاز جانبِ مخالف سے ہوا تھا۔ چنانچہ زید کہتے ہیں کہ :

---

[1] ملاحظہ کیجئے مجمع الزوائد ج ۷، ص ۲۳۷ بحوالہ معجم طبرانی

كنت فيمن خرج معه فكف عن طلحة والزبير واصحابهم ودعاهم حتى بدؤه، فقاتلهم[1]

میں اس فوج میں موجود تھا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں نکلی تھی۔ آپ نے حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کی فوج کو اطاعت کی دعوت دی اور ان پر حملہ کرنے سے اس وقت تک رکے رہے جب تک کہ خود انہوں نے لڑائی میں پہل نہ کی اب آپ کو بھی قتال کرنا پڑا۔

اور یہی بات حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے رکھی تھی۔ چنانچہ علامہ محدث محمد بن عبد الباقی زرقانی "شرح المواہب اللدنیہ" میں رقمطراز ہیں:

وذكر يحيى بن سليمان الجعفي احد شيوخ البخاري في تأليفه في "صفين" بسند جيد عن ابي مسلم الخولاني انه قال لمعاوية أأنت تنازع عليا في الخلافة او انت مثله؟ قال لا واني لاعلم انه افضل مني وأحق بالامر ولكن الستم تعلمون ان عثمان قتل مظلوما وانا ابن عمه ووليه اطلب بدمه فأتوا عليا فقولوا له

یحییٰ بن سلیمان جعفی جو امام بخاری کے استاد ہیں انہوں نے اپنی تالیف میں جو معرکۂ "صفین" پر ہے بسندِ جید ابو مسلم خولانی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر کہا تم بھی خلافت کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جھگڑنے چلے ہو بھلا تم ان کے برابر ہو؟ کہنے لگے میں ان کے برابر کہاں میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے افضل ہیں اور مجھ سے زیادہ خلافت کے حقدار، لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مظلوماً قتل کر دیے گئے۔ میں ان کا ابن عم اور ولی ہوں اور ان کے خون کا انتقام لینا چاہتا ہوں تم ان سے

[1] کتاب السیر، باب الدعاء الی الاسلام قبل القتال

يدفع لنا قتلة عثمان فاتوه فكلموه فقال يدخل في البيعة ويحاكمهم الى فامتنع معاوية (ج ۷ ص ۲۱۵ و ۲۱۶)

جا کر کہو کہ وہ قاتلانِ عثمان کو ہمارے حوالہ کر دیں چنانچہ انہوں نے آکر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس سلسلہ میں گفتگو کی تو آپ نے فرمایا کہ وہ بیعت کر لیں اور ان کا معاملہ میرے سامنے رکھیں یہ بات حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ مانی۔

اور علامہ فقیہ مؤرخ عبد الحی بن العماد الحنبلی المتوفی ۱۰۸۹ھ "شذرات الذہب فی اخبار من ذہب" میں ارقام فرماتے ہیں:

وكان في جماعة علي جماعة من البدريين واهل بيعة الرضوان ورايات رسول الله صلى الله عليه وسلم والاجماع منعقد على امامته وبغي الطائفة الاخرى ولا يجوز تكفيرهم كسائر البغاة واستدل اهل السنة والجماعة على ترجيح جانب علي بدلائل اظهرها واثبتها قوله صلى الله تعالى عليه وسلم لعمار بن ياسر "تقتلك الفئة الباغية" وهو حديث ثابت ولما بلغ معاوية ذلك قال انما

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب بدری صحابہ کی ایک جماعت تھی اور ان اصحاب کی بھی جنہوں نے بیعتِ رضوان میں شرکت کی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے بھی تھے حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے منعقد ہونے اور ان کی مخالف جماعت کے باغی ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ مگر ان باغیوں کو کافر کہنا ناجائز ہے جیسا کہ تمام باغیوں کا حکم ہے۔ حضرات اہل سنت وجماعت نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب کو ترجیح دینے کے لئے بہت سے دلائل سے استدلال کیا ہے جن میں سب سے زیادہ ظاہر اور سب سے زیادہ پختہ دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرمانا ہے کہ "عمار تم کو باغی جماعت قتل کرے گی" یہ حدیث ثابت ہے۔ اور جب حضرت

قتله من اخرجه فقال
علی اذا قتل رسول الله
صلی الله علیه وسلم حمزة
لانه اخرجه وهو الزام
لاجواب عنه و حجة لا
اعتراض علیها.

وکان شبهة معاویة
ومن معه الطلب بدم
عثمان، وکان الواجب علیهم
شرعًا الدخول فی البیعة
ثم الطلب من وجوهه
الشرعیة. وولی الدم
فی الحقیقة اولاد عثمان
مع ان قتلة عثمان
لم یتعینوا ...... وممن
قتل مع علی عمار بن
یاسر میزان العدل
فی تلک الحروب وهو
الذی ملئ ایمانًا
من قرنه الی قدمه
واختلط الایمان بلحمه
ودمه وقتل وقد
نیف علی التسعین و

معاویہ کو یہ روایت پہنچی تو کہنے لگے، ان کے قاتل تو وہ ہیں جو ان کو لیکر نکلے تھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل (نعوذ باللہ) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھیرے کیونکہ وہی ان کو لیکر آئے تھے۔ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ الزام لاجواب ہے اور ایسا عمدہ استدلال ہے کہ جس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔

حضرت معاویہ اور ان کے ساتھیوں کا شبہ یہ تھا کہ وہ تو خونِ عثمان کا انتقام چاہتے ہیں لیکن شرعًا ان پر یہ واجب تھا کہ پہلے داخلِ بیعت ہوتے اور پھر شرع کے بتلائے ہوئے طریقوں پر قصاص کا مطالبہ کرتے۔ اور حقیقت میں جن کو مطالبۂ قصاص کا حق تھا اور ولی الدم تھے وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد تھی۔ پھر یہ بات بھی تھی کہ قاتلانِ عثمان معلوم ومتعین نہ تھے..... اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے ساتھیوں میں سے جو حضرات شہید ہوئے ان میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے جو ان جنگوں میں میزان عدل کی حیثیت رکھتے ہیں (کہ جدھر وہ ہوں گے حق اسی طرف ہوگا) یہ وہی صحابی ہیں (جو حسب

قتل معه ایضًا ذو
الشهادتین خزیمة بن
ثابت، وکان متوقفًا
فلما قتل عمار تبین
له الحق وجرد سیفه
وقاتل حتی قتل۔[1]

فرمانِ نبوی) سرتاپا ایمان سے پُر تھے اور ایمان ان کے گوشت وخون میں سرایت کرگیا تھا حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر اس وقت ۹۰ سال سے متجاوز تھی۔ نیز آپکے ساتھیوں میں سے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شہید ہوئے یہ وہ صاحب ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی اکیلے کی گواہی کو دو گواہوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا (یہ خصوصیت تمام صحابہ میں صرف انھیں کو حاصل تھی) ان کو پہلے توقف تھا کہ جنگ کریں یا نہ کریں لیکن جیسے ہی حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو کر گرے ان پر حق واضح ہوگیا اور انہوں نے شمشیر نیام سے کھینچی اور جنگ شروع کردی آخر شہید ہوگئے۔

بہرحال طالبینِ قصاص کے لئے صحیح طریقہ یہی تھا کہ اگر وہ قاتلین کو جانتے تھے تو حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی عدالت میں حاضر ہوکر شرعی طریقہ پر عرض مدعا کرتے اور عدالتِ شرعی سے انصاف کے طلبگار ہوتے۔ حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ورثاء نے غالبًا اس سلسلہ میں کوئی قدم اس لئے اٹھانا پسند نہ کیا کہ جس طرح ان کے والد بزرگوار نے صبر ورضا وتسلیم کا دامن آخری لمحہ تک ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اپنی طرف سے قطعًا کسی کو مدافعت کی اجازت نہ دی اسی طرح ان حضرات نے بھی سوچا ہوگا کہ جب پدر بزرگوار نے ہی ان ظالموں کا معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد کردیا تو اب ہم کیوں اس معاملہ کو اٹھائیں یا یہ وجہ ہوگی کہ قاتل بروقت مارے گئے اور اگر کوئی موقعہ واردات سے فرار ہوگیا تو اس کو جانتے نہ ہوں گے اور جیسا کہ ابھی علامہ ابن العماد کی تصریح گزری کہ واقع میں قاتل متعین بھی نہ ہوسکے اور اس سے پہلے بھی وہ لکھ چکے ہیں کہ

والصحیح انه لم یتعین قاتله[2] اور صحیح یہی ہے کہ (اس بلوہ میں) ان کا قاتل متعین نہ ہوسکا

[1] ملاحظہ ہو ج ۱ ص ۴۵ و ۴۶ طبع مصر قاہرہ ۱۳۵۰ھ
[2] "شذرات الذہب" ج ۱ ص ۴۰

اور شاہ ولی اللہ صاحب نے تیسری وجہ بھی یہی بتائی ہے۔ آج بھی تاریخِ اسلام کا سارا سرمایہ کھنگال لیا جائے۔ صحیح روایات کی بنا پر قاتل کی تعیین مشکل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب اس وقت قاتل متعین نہ ہو سکے تو اب کہاں سے ہوں گے ؟

چوتھی وجہ جو شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے بیان کی اگرچہ فقہ کا عام مسئلہ ہے چنانچہ "البحر الرائق شرح کنز الدقائق" میں مرقوم ہے :

توبة الباغی بمنزلة الاسلام من الحربی فی افادة العصمة و الحرمة.

جان و مال کی حفاظت اور ان کے احترام کے سلسلہ میں باغی کے توبہ کر لینے اور حربی کافر کے اسلام لے آنے کا ایک ہی حکم ہے (کہ اب دونوں کی جان و مال سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا)

تاہم حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ فرمانا کہ "مجھے ذرا بتلائیے تو قاتلانِ عثمان ہیں کون کون" یا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرمانا کہ "مجھ سے بیعت کرو اور ان کا معاملہ میری عدالت میں پیش کرو" اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے واقعہ میں جو صورت خاص پیش آئی اس میں مظاہرین اور قاتلین کے مابین فرق ہے مظاہرین اور محاصرین کا حکم عام باغیوں کا ہے کہ اطاعت قبول کر لینے پر ان سے بازپرس نہیں ہوتی۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ان لوگوں سے جب انھوں نے بیعت کر لی تو اطاعت قبول کر لینے پر ان سے کچھ بازپرس نہ کی، لیکن جن لوگوں نے خلیفہ معصوم کے قتل کا ارتکاب کیا تھا ان کے بارے میں حضرت عائشہ و حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی فرمایا کہ ان کو بتلایا جائے اور ان کے خلاف دعویٰ پیش کیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ اگر قاتلین کے خلاف ثبوتِ قتل فراہم ہو جاتا تو ان کو قصاص میں قتل کر دیا جاتا۔

اور اگر کسی صاحب کو ان وجوہِ مذکورہ چہارگانہ میں سے پہلے ہی وجہ کی صحت پر اصرار ہو تب بھی ہم کو کچھ مضر نہیں۔ کیونکہ بالفرض اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قاتلانِ

عثمان کو کیفرِ کردار پر پہنچانے کا مقدور نہ تھا تو اس کا سبب بھی یہی تھا کہ ان حضرات طالبینِ قصاص کا تعاون ان کو حاصل نہ تھا۔ چنانچہ امام ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں

ولو ان معاوية بايع عليًا لقوی به علی اخذ الحق من قتلة عثمان فصح ان الاختلاف هو الذی اضعف يد علی عن انفاذ الحق عليهم ولولا ذلك لانفذ الحق عليهم[1]

اور اگر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کر لیتے تو آپ کو قاتلینِ عثمان سے قصاص لے لینے کی قوت حاصل ہو جاتی لہٰذا یہ بات صحیح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے اختلاف کرنے ہی نے حضرت والا کے ہاتھ کو ان پر حق کے نفاذ سے کمزور کر دیا ورنہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ قاتلین پر ضرور حق کا نفاذ کر کے رہتے

مسئلہ کو سمجھنے کا سیدھا اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف مظاہرہ کیا تھا ان کے بارے میں حکم شرع کی تنقیح کر لی جائے ظاہر ہے کہ وہ لوگ کافر مرتد یا منافق نہ تھے مسلمان ہی تھے پھر کیا وہ رہزن قطاع الطریق اور محاربین کے حکم میں تھے یہ صورت بھی نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو سب سے پہلے حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان پر حد جاری کرتے اور کتاب اللہ کے حکم کے مطابق کسی کو سولی پر لٹکاتے، کسی کے ہاتھ پیر کاٹتے اور کسی کو جلاوطن کرتے۔ اب سوا اس کے کوئی اور صورت نہیں کہ وہ باغی تھے اور باغی جب تک لوگوں کی جان و مال سے تعرض نہ کریں ان کو زبانی فہمائش کی جائے گی البتہ اگر وہ لڑنے مرنے پر مستعد ہو جائیں تو پھر ان سے قتال واجب ہے۔ اب اس سلسلہ میں دونوں خلفاء راشدین حضرت ذی النورین و حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے طرزِ عمل پر نظر ڈال لیجئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عین حالتِ محاصرہ میں ان کو زبانی فہمائش ہی پر اکتفا کی اور ہر طرح ان کے شبہات کے ازالہ کی کوشش فرمائی کیونکہ اس وقت تک معاملہ خلیفۂ وقت کے خلاف مظاہرہ سے آگے نہ بڑھا تھا۔ بعد کو چند نابکار اشتعال میں آکر پڑوس کی دیوار

---

[1] الفصل فی الملل والاہواء والنحل ج۔۴ ص ۱۶۲ طبع مصر

سے کودے اور انہوں نے چھت سے بالاخانہ میں داخل ہو کر آپ کو شہید کر ڈالا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ان میں سے دو ایک موقع پر مارے گئے ایک آدھ موقع واردات سے فرار ہو کر رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔ بعد ازاں جب مدینہ کے تمام مہاجرین و انصار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بیعت کر لی تو یہ مظاہرین بھی حلقۂ بیعت میں داخل ہو گئے۔ بغاوت فرو ہو جانے کے بعد باغیوں سے باز پرس نہیں ہوا کرتی۔ قاتلوں کا پتہ نہ چل سکا نہ کسی نے ان کے خلاف استغاثہ دائر کیا نہ کوئی عینی شہادت کسی کے خلاف فراہم ہو سکی اب کارروائی کس کے خلاف کی جاتی؟۔ اسی لئے امت کے تمام فقہاء اور متکلمین نے قاطبۃً اس بارے میں حضرت مرتضٰے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصویب فرمائی ہے اور ان سے اختلاف کرنے والوں کا تخطیہ کیا ہے۔ چنانچہ علم کلام اور فقہ کی تمام کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے۔ ائمہ ہدیٰ اور اکابر علماء اہل سنت کی تصریحات اس مقالے میں جابجا آپ کی نظر سے گزر چکی ہیں[۱]۔ اور امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ کا اس باب میں جو عقیدہ ہے اس کا ذکر ہم نے اپنے رسالہ "شہدائے کربلا پر افتراء" کے آخر میں بھی کر دیا ہے جو حسب ذیل ہے:

والائمۃ مترتبون فی الفضل ترتبھم فی الامامۃ، ولا اقول فی عائشۃ وطلحۃ والزبیر رضی اللہ تعالی عنھم الا انھم رجعوا عن الخطاء، واقول: ان

فضیلت کے اعتبار سے ائمہ (خلفاء اربعہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی وہی ترتیب ہے جس ترتیب سے یہ حضرات امامت کے منصب رفیع پر فائز ہوئے اور حضرات عائشہ و طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں اس کے سوا کچھ نہیں کہوں گا کہ ان حضرات نے اپنی اس خطا سے (جو جنگ جمل میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے خلاف صف آرا ہونے کی بنا پر ان سے سرزد ہوئی) رجوع کر لیا تھا۔ اور میں اس کا قائل

---

[۱] یہاں تک تحریر اسی زمانے کی ہے جب یہ مکتوب ہم کو بغرض جواب ملا تھا جس کو اب تقریباً ۹ سال کا عرصہ ہو چکا مگر بوجوہ اس کی طباعت کا موقع نہ مل سکا۔ اب جب اس کی اشاعت کا خیال آیا تو نظر ثانی میں حسب ذیل اضافہ ہوا ہے۔

طلحۃ والزبیر من العشرۃ المبشرین بالجنۃ۔ واقول فی معاویۃ وعمرو بن العاص انھما بغیا علی الامام الحق علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ فقاتلھم مقاتلۃ اھل البغی، واقول ان اھل النھروان الشراۃ ھم المارقون من الدین وان علیاً رضی اللہ عنہ کان علی الحق فی جمیع احوالہ، والحق معہ حیث دار

ہوں کہ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان دس حضرات میں سے ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی حیات ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی۔ اور میں معاویہ اور اور عمرو بن العاص کے بارے میں یہی کہتا ہوں کہ ان دونوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف بغاوت کی تھی جو امام برحق تھے، اور حضرت امیر المومنین نے ان سے اسی طرح جنگ کی جس طرح باغیوں سے کرنی چاہئے اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اہل نہروان (یعنی خوارج) جو اس امر کے مدعی تھے کہ ہم نے اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بیچ دیا ہے وہ دراصل دین سے فراری تھے اور یہ بھی (شہادت دیتا ہوں) کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے تمام حالات میں حق پر تھے اور آپ نے جدھر بھی رخ کیا حق آپ کے ساتھ تھا۔

(ملاحظہ ہو "الخطط والآثار فی مصر والقاھرہ والنیل وما یتعلق بھا من الاخبار" تالیف علامہ تقی الدین احمد بن علی المقریزی، ج ۔ ۲ ص ۳۶۰ طبع بولاق مصر ۱۲۷۰ھ)

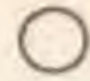
محمد عبدالرشید نعمانی
شب پنجشنبہ ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ

علم و عمل و [illegible]

حدیث غزوۂ قسطنطنیہ اور مغفرتِ یزید

سنہ تصنیف ———— شوال سنہ ۱۳۸۰ھ

"اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف کی ایک طویل حدیث پر علمی و تحقیقی بحث غزوۂ قسطنطنیہ میں شریک ہونیوالے مجاہدین کی بخشش و مغفرت اور یزید ابن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیلئے بشارت اور مغفور لہم میں داخل ہونے یا نہ ہونے پر ایک گرانقدر اور قیمتی تحریر۔
اسلامی تاریخ کے اس معرکۃ الآراء موضوع پر دل و دماغ اور قلب و نگاہ کی پاکیزگی کے ساتھ جامعیت اور اعتدال سے بھرپور ایسی تحریریں بہت کم پڑھنے کو ملتی ہیں۔"



دیوبند سے شائع ہونے والے ایک مشہور مجلہ، ماہنامہ تجلی کی فروری و مارچ ۱۹۶۱ء کی اشاعت میں جناب مظہر عزیز سہیل، بی، اے گورکھپور کے قلم سے ایک طویل علمی مضمون بعنوان، حدیث غزوۂ قسطنطنیہ پر استفتار" شائع ہوا۔ اس مضمون میں بخاری شریف کی اس حدیث پر بحث کی گئی ہے جسمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اسلامی فوج کے شہر قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کی پیشین گوئی اور اسمیں شرکت کرنیوالے مجاہدین و غازیین کیلئے مغفرت کی بشارت ہے۔

یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں چھ جگہ مختلف ابواب کے تحت تحریر فرمائی ہے پہلی جگہ باب الدعاء بالجهاد والشهادة للرجال والنساء میں، دوسری جگہ باب من يصرع فی سبیل اللہ فمات میں، تیسری جگہ باب غزوة المرأة فی البحر میں چوتھی جگہ باب رکوب البحر میں، پانچویں جگہ باب ماقیل فی قتال الروم میں چھٹی جگہ کتاب الاستیذان باب من زار قوما فقال عندهم میں۔

مستفتی کو اصل خلجان اس حدیث شریف سے متعلق اُن توضیحات و تشریحات میں تھا جو بعض شراح حدیث مثلاً علامہ ابن التین اور علامہ ابن المنیر وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہیں کہ ان حضرات کے نزدیک مغفور لهم کے عموم میں یزید داخل نہیں ہے، اسلئے کہ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول اس شرط کے ساتھ مشروط

لہ ناچیز مقدمہ نگار مولانا سلطان الحق صاحب قاسمی ناظم کتب خانہ دارالعلوم دیوبند کا ممنون ہے کہ ان کی مساعی سے تجلی کا یہ شمارہ حاصل ہوا۔

ہے کہ ان مجاہدین میں مغفرت کی اہلیت اور صلاحیت بھی باقی رہی ہو۔

مستفتی نے علامہ ابن التین اور علامہ ابن المنیر رحمہما اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ اس رائے اور توضیح کے پیش نظر ان کے بارے میں دینھما لائمة من الوفض کا فیصلہ دیا ہے اور ماہنامہ تجلی کے تقریباً چار صفحات میں انکی اس رائے اور توضیح کو غلط ثابت کرتے ہوئے ایک طویل استفتار دس اکابر علماء کی خدمت میں پیش کیا ہے اور اُن سے درخواست کی ہے کہ وہ کتاب و سنت اور فقہائے اُمت کے اقوال و دلائل سے اس کا جواب تحریر فرمائیں۔

وہ دس اکابر یہ ہیں (۱) مولانا الحافظ الشاہ عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوٌ (۲) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مئو اعظم گڈھ (۳) مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی ڈھاکہ (۴) مولانا محمد تقی صاحب امینی مدرسہ معینیہ اجمیر (۵) مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند (۶) مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور۔ (۷) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی شیخ الحدیث والتفسیر ندوہ لکھنوٌ (۸) مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مدیر رسالہ ترجمان القرآن لاہور (۹) مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ مدیر رسالہ الفرقان لکھنوٌ (۱۰) مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی کراچی۔

مستفتی نے ان حضرات کی خدمت میں بھیجنے کیلئے جو استفتار مرتب کیا ہے وہ اگرچہ کافی طویل ہے لیکن اسکو یہاں نقل کرنا اسلئے ناگزیر ہے کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے جواب میں جابجا اسکے حوالے دیئے ہیں۔ استفتار یہ ہے۔

استفتار

(۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین حسب ذیل استفسارات و شبہات کے باب میں۔ کیا مغفورٌ لهم سے مغفرت اوّل مُراد ہے جس کا دوسرا عنوان

دخولِ جنت بغیر عذاب ہے یا مغفرت بعد سزائے کبائر مراد ہے ؟ اگر مغفرت بعد سزا مراد ہو تو نہ اسمیں یزید اور دیگر لشکریان کیلئے کوئی خصوصیت، کوئی مدح، کوئی مژدہ و بشارت ہے اور نہ ابن التین وغیرہ کو اس پر گھبرانے اور تاویلات پیدا کرنے اور مشتبہ بنانے کی کوئی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ تو ابن التین کیلئے، میرے لئے، اور تمام گناہ گاروں کیلئے عام ہے ہی مگر بظاہر اور میرے نزدیک ابن التین کی یہ کلامی کوششیں یہ بتاتی ہیں کہ وہ تمام لشکریوں کیلئے خصوصاً یزید کیلئے کسی قسم کی بھی مغفرت کے قائل نہیں۔

(۲) حضورؐ کا ارشاد مغفور لہم کا طرزِ بیان، پوری حدیث کے دیگر قرائن کو بھی پیشِ نظر رکھتے ہوئے کیا جہادِ قسطنطنیہ کی ترغیب اور فضائل کا محض عام ذکر ہے۔ (اگر کوئی فرد یا لشکر پہلے غزوۂ قسطنطنیہ میں جائے گا تو مغفور لہم کے ثواب میں بشرط وجود شرائط عامہ ثواب کا شریک ہو سکے گا) یا یہ خاص حالات کے مخصوص افراد کیلئے ایک خاص تبشیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اس انعام کا ملنا تو اٹل ہے یہ انعام تو انہیں مل کر ہی رہے گا کیونکہ ان مخصوص لوگوں کی ایمان کی سلامتی اور وفات علی الایمان تو متیقن و متعین ہے، اسمیں کوئی شرط و تعلیق نہیں۔؟

(۳) اگر یہ اوجبوا اور مغفور لہم ذکر فضائل جہاد مجاہدین ہے اور ترغیبِ عمل نہیں بلکہ مخصوص تبشیر جیش ہے تو کیا مخصوص تبشیر میں بھی شرط و تعلیق ہوا کرتی ہے ؟ اگر ہو سکتی ہے تو اسکی کوئی نظیر۔؟

(۴) اگر ایک بشارت مغفور لہم میں شرط و تعلیق علماء نے مانی ہے تو کیا اسی وقت کی اور اسی حیثیت کی دوسری بشارت اوجبوا میں بھی شرط و تعلیق مانی ہے۔؟

اگر نہیں تو کیوں ؟ اس سے تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے اور اگر ہے تو پھر ابن التین کو یا ہم کو اس ارشاد میں اور کن کن قوانین کو ملا کر اوجبوا کا انعام تقسیم کرنے کا ضابطہ بنانا چاہیئے اور کن کن افراد کو کس کس قانون کی روشنی سے اُس بشارت کا نفع ملنے سے خارج کر دینا چاہیئے۔؟

(۵) جس قاعدہ کی طرف ابن التین اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ حکم مشروط ہے اس شرط سے" وہ بات صحیح اور تسلیم تو ہے مگر جہاں تک میری ناقص نظر اور ناقص فہم کی رسائی ہے، اس کا طرزِ بیان ہی جُداگانہ ہوتا ہے وہ ہمیشہ دو جملوں (شرط و جزا) میں ہوا کرتا ہے مثلاً من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفرلہ ماتقدم من ذنبہ وما تأخر وغیرہ۔ یہاں دو جملے ہیں، مضمون بھی شرط و جزا کا ہے اسلئے شرط بھی صحیح اور تعلیق بھی تسلیم مگر اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لہم، تو جملہ مفردہ اسمیہ خبریہ ہے اسکے اندر بھی شرط و تعلیق ماننا میرے نزدیک ایسا ہی ہے جیسے ایک آدمی زید کو دورہ پڑھنے کے زمانے میں زیدٌ عالم کہدے تو دوسرا کہے کہ واہ زید بھلا اس عموم میں کیونکر داخل ہو سکتا ہے، کیونکہ تمام علماء بلا اختلاف جانتے اور مانتے ہیں کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں، کیسے معلوم کہ زید زندہ بھی رہے گا اور یہ کہ عالم ہونا مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ شخص عمر طبعی خدا کے یہاں سے لے کر آیا ہو پھر اس کو مدرسہ بھی جامعۂ ازہر مصر کی طرح ملا ہو۔ یہاں تک کہ اگر بالفرض اسے ابن التین جیسے اُستاد نہ ملیں تو اسکے عالم ہونے کا کوئی امکان نہ ہو، اسلئے معلوم ہوا کہ کہنے والے کا منشاء عالمٌ کہنے سے صرف اسی صورت کے ساتھ مخصوص و مشروط ہے کہ وہ بوڑھا ہو کر مرے، مصر جا چکا ہو اور ابن التین جیسا اُستاد بھی اُسے ملا ہو

(۶) کیا حضورؐ کی اور تمام بشارتیں عشرہ مبشرہ کو، اہلبیت قرآنی، یعنی امہات المومنین کو۔ اہلبیتِ حدیثی یعنی آلِ عبا کو اصحابِ بدر کو بلکہ جملہ اصحابِ رسولؐ کو کہ (مغفرۃ واجراً عظیماً کا وعدہ بھی سے ہے) بھی اسی ناوکِ شرط و تعلیق کا ہدف ہیں؟

(۷) جب جمع الفوائد جلد دوم مناقب حسینؓ میں معجم کبیر طبرانی کی ایک حدیث ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ مروی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ اور حضورؐ دو معصوموں نے شہادت دی کہ قاتلین حسینؓ مسلمان ہوں گے، چنانچہ اس پر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو تعجب بھی ہوا گویا ان کو قاتلینِ حسینؓ کا مسلمان ہونا یا مسلمان رہ جانا باور ہی نہ ہوتا تھا۔ مگر جب حضورؐ نے ان کو مسلمان کہدیا اور قتل حسینؓ ہی کے جرم کے ساتھ ان کا مسلمان ہونا بیان فرمایا تو کیا ابن التین، (یا تفتازانی یا کسی غوث و قطب) کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ اُسے شریعت محمدیہؐ کی روسے کافر یا مرتد کہیں۔؟

(ب) اگر بالفرض یزید نے یا ابن زیاد نے سیدنا حسینؓ کو قصداً بھی اس خیال سے قتل کیا کہ وہ تفریق بین المسلمین کے مرتکب ہو رہے تھے جیسا ابن عمرؓ کا قول اتقیا اللہ ولا تفرقا بین المسلمین، ابن علی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے باب میں مذکور اور حدیث فاقتلوہ کائناً من کان مشہور ہے تو کیا شریعت محمدیہؐ کی روسے وہ لوگ گناہگار ہوئے۔؟ کیا ایسا کوئی قاتل مسلم یا آمر بقتل مسلم ایسی صورت میں بھی مستحق لعنت ہے جیسا امام غزالیؒ لکھتے ہیں:۔

(یہ سوال بظاہر ابن التین سے غیر متعلق ہے لیکن ان کے قول کو کچھ دُور چلنے کے بعد مستلزم ضرور ہے اسلئے لکھدیا:

(۸) حضورؐ نے ام حرامؓ کے یہاں قیلولہ میں جو دو خواب دیکھے اور پھر جو بشارتیں اوجبوا اور مغفورٌ لھم کی دیں تو کیا ان ارشادات میں اخبار عن الغیب، کشفِ مستقبل نہیں تھا۔؟ دونوں خواب خود تو وحی تھے مگر کیا اسکے ان ارشادات میں بھی وحی کا کوئی دخل نہ تھا۔؟ کیا ایسے قرائن وحی سے قطع و یقین کا خیال مستنبط ہوتا ہے یا ظن و تخمین اور تعلیق و تامین ہی کا پہلو نکلتا ہے۔؟ اگر ان قرائن کے باوجود بھی اس ارشاد میں محض ترغیب جہاد اور حکم مشروط نکلتا ہے تو ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اگر حضورؐ نے یا کسی پیغمبر نے خواب کی وحی سے بھی اعمال کے فضائل اور ثواب تعلیم کئے ہیں تو خواب و خیال کا اعتبار کیا۔؟ سائل کے نزدیک اس میں ترغیب جہاد ہرگز نہیں ہے، بلکہ خواب کی وحی، مسرت اور ضحک کے قوی وجد و حال کے قرائن سے اسمیں تامہ اور مغفرت اوّلی مُراد ہے۔

(۹) اگر ابن التین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مغفورٌ لھم، کے احترام اور تقدیس میں ایک دوسرے ارشادِ نبوی اور عام قانون کو پیش نظر رکھنا اپنے علم و دیانت کا تقاضا سمجھا تو میں بھی حضورؐ کے اُس ارشاد کے احترام اور تقدیس ہی کی خاطر ایک دوسرے ارشاد نبوی اور عام انعام خداوندی کو پیش نظر رکھنا اور مسلمانوں تک پہنچانا، اپنے علم و دیانت کا تقاضا خیال کرتا ہوں، علماء کرام فیصلہ کریں سلم و سلامتی والے اسلام اور امن و امان والے، ایمان کے مزاج کے مطابق اور حضرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤفیت اور رحیمیت اور حق تعالیٰ کی غفاریت اور رحمانیت کی روح کے موافق ابن التین کے علم و دیانت کا تقاضا ہے یا راقم الحروف کے علم و دیانت کا، وہ ارشاد نبویؐ یہ ہے:۔ (دیکھیے مشکوٰۃ باب وقوف بعرفہ عن عباس

ابن مرداس ۲۲۹ ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے روز دن ڈھلے اپنی اُمت کی مغفرت (تامہ) کی دُعا فرمائی تو دربارِ الٰہی سے جواب ملا کہ اچھا میں نے ان سب کو بخش دیا بجز مظالم اور حقوق العباد کے، کیونکہ یہ حق تو میں ظالم سے مظلوم کو دلوا کر رہوں گا تو حضورؐ نے عرض کیا اے میرے پروردگار! آپ اگر چاہیں تو مظلوم اور صاحبِ حق کو جنت کا کوئی محل دیکر راضی اور ظالم کو (بری فرما کر) معاف فرما سکتے ہیں تو اس دُعا کا جواب وہاں میدانِ عرفات میں تو آپؐ کو نہیں ملا مگر جب آپؐ نے مزدلفہ پہنچ کر صبح کو پھر وہی دُعا مانگی تو آپؐ کی دُعا منظور کرلی گئی، راوی کہتا ہے کہ پھر حضورؐ پر ضحک یا تبسم کا وجد طاری ہو گیا تو آپؐ سے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان! یہ گھڑی تو ایسی مبارک اور اہم ہے کہ آپؐ (بجز شغل دُعا و ابتہال و گریہ اور ذکر کے) کبھی اس وقت ہنسا نہیں کرتے تھے، آخر کیا بات تھی جس نے آپ کو ہنسا دیا، خدا کرے آپ ہمیشہ ہنستے خوش ہوتے رہیں، حضورؐ نے فرمایا سنو! اللہ کے اس دُشمن ابلیس کو جب معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دُعا (مغفرتِ اُمت کی) قبول فرمائی اور میری اُمت کی مغفرت (تامہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی) فرمادی تو مٹی لیکر سر پر ڈالنے اور بڑی ہائے وایلا مچانے لگا ہے، بس اسکی یہ بدحواسی دیکھ کر مجھے بھی ہنسی آگئی۔" (انتہیٰ)

اب ابن التین ذرا دیکھیں کہ اس حدیث میں بھی اُسی مغفرت کا ذکر ہے جس کے ایک صیغہ مغفور لہم نے ان کو بدحواس اور تاویلات پر آمادہ کر دیا، ابن التین تو ایک یزید ہی کی مغفرت پر سربر جبیں ہو رہے ہیں اور حضورؐ کی شان رحمت اللعالمین ساری ہی اُمت کی مغفرت تامہ کیلئے بار بار دُعا فرمارہی ہے جن میں نہ معلوم کتنے یزید ہونگے۔

○

یہ استفتاء حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں دس شوال ۱۳۸۰ھ (۲۸ مارچ ۱۹۶۱ء) میں پہنچا، اسکے ساتھ ایک چند سطری خط سائل کی جانب سے اس مضمون کا بھی ملا کہ احقر کو جناب کے علم و عمل اور تقویٰ اور اخلاق پر اعتماد ہے، اسلئے گذارش ہے کہ زیادہ سے زیادہ ماہ شوال کے ختم تک اس فتویٰ کا جواب دیدیا جائے۔

حضرت المخدوم نے اپنے شدید مشاغل اور متعدد عوارض کے باوجود دُو دن میں اس کا جواب اپنے قلم مبارک سے تحریر فرما کر خدام کے حوالہ کیا کہ وہ اس کی نقل تیار کرلیں، لیکن جواب لکھنے میں جس قدر عجلت ہوئی اسی قدر اس کے ارسال کرنے میں تاخیر ہوتی چلی گئی اور تین ذیقعدہ ۱۳۸۰ھ (۱۹ اپریل ۱۹۶۱ء) میں بصیغہ رجسٹری سائل کو یہ جواب بھیجا گیا۔

مولانا عامر صاحب عثمانی (مدیر تجلّی) نے اس جواب کو پڑھ کر جو خط تحریر کیا وہ یہ ہے۔

مخدوم و مکرم مولانائے محترم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

جواب استفتاء پر مشتمل جناب کا ملفوف موصول ہو گیا تھا، لیکن بعض ناگزیر اسباب سے وصولیابی کی رسید دینے اور اظہار تشکر کرنے میں دیر ہوئی معاف فرمایئے گا

آنجناب نے اپنی بیماری کے باوجود اتنے مفصل جواب کی زحمت فرمائی یہ جناب کے اخلاق کریمانہ اور ظرف عالی کا مظہر ہے، پھر جس پاکیزہ لب و لہجہ میں آپ نے جواب عنایت فرمایا ہے وہ یقیناً جناب کی عظمت کا نقشِ روشن ہے، اللہ تعالیٰ آپ جیسے کریم النفس بزرگوں کو تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے اور ہمیں توفیق دے کہ علمی مباحث میں آپ کی متانت، حلم اور منکسر مزاجی کا اتباع کر سکیں۔

یہ ضروری نہیں کہ مستفتی کو آپ کے ہر ارشاد سے اتفاق ہی ہو لیکن یہ اظہر من الشمس ہے کہ آپ کی تفہیم کا انداز صاحب علم و تقویٰ بزرگوں کی شایان شان ہے اور علمی تبحر کا امانت دار۔

تمام موصولہ جوابات کا مطالعہ کر کے جناب مستفتی کس نتیجہ پر پہنچیں گے یہ تو اللہ ہی کے علم میں ہے، فی الوقت اس عاجز پر آپ کا شکریہ فرض ہے اور اسی کی ادائیگی کے لئے یہ سطور ہدیۂ خدمت کی ہیں، اگر موصولہ جوابات "تجلی" میں شائع کئے گئے تو پرچہ ضرور حاضر خدمت ہوگا، آپ کی صحت و عافیت کے لئے یہ گناہ گار دعا کرتا ہے اور آنجناب سے دُعائے خیر کا ملتجی ہے۔

عامر عثمانی، مدیر تجلی ۶ مئی ۱۹۶۱ء

ابھی آپ نے مدیر تجلی کا مکتوب اور ان کی طرف سے حضرت المخدوم کے لئے القاب و آداب، پاکیزہ لب و لہجہ، اخلاق کریمانہ اور ظرف عالی، عظمت کا نقش روشن، علمی مباحث میں ان کی متانت، حلم اور منکسرانہ مزاجی، تفہیم کا انداز، صاحب علم و تقویٰ، بزرگوں کے شایانِ شان اور علمی تبحر کا امانت دار جیسے وقیع اور اونچے الفاظ ملاحظہ فرمائے، لیکن انہی القاب و آداب اور صفاتِ محمودہ سے متصف شخصیت نے مودودی صاحب کی تصنیفات و تالیفات کا جائزہ لیکر جب ان کا تعاقب کیا اور ان کے دجل و تلبیس کو آشکارا کیا تو ماہنامہ تجلی کے اسپر تبصرے اور تنقید اور درشت لب و لہجہ قارئین کیلئے تصویر کا دوسرا رُخ ثابت ہوا۔

ابن الیتین اللہ میاں کو تقسیم مغفرت کے متعلق ایک ضابطہ بتا کر مشورہ دے رہے ہیں کہ حضور اسے مشروط کر دیجئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو حریصٌ علیکم کا تاج سر پر رکھے ہیں وہ حق تعالیٰ کے سامنے حقوق العباد (جسمیں قتلِ مسلم بھی داخل ہے) کی معافی کے لئے ترحم خسروانہ کی اپیل کر رہے ہیں اور اُمت کو ولا تخش من ذی العرش اقلالا کے عقیدے کی تعلیم دے رہے ہیں۔

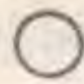
(۱۰) جب مغفور لہم حضور کا ارشاد ہے اور مقام تبشیر میں ہے تنزل کے طور پر اسکے تو معنی ہی یہ ہیں کہ اس فوج کے لوگ گناہوں سے پاک اور پارسا تو نہ ہوں گے کہ مغفرتِ اول سے کامیاب ہوں اور بے حساب جنت میں چلے جائیں بلکہ ہوں گے ان میں سے اکثر مرتکبین کبائر، کوئی قاتل مسلم ہوگا کوئی آمر بہ قتل مسلم ہوگا کوئی مستبشر بہ قتل ہوگا کوئی مُدمِن خمر ہوگا کوئی چیتوں اور کُتوں سے شکار کا مشغلہ کرتا ہوگا، کوئی شعر گوئی میں تضیعِ اوقات کرتا ہوگا، ایسے لوگوں کیلئے بھی جب حضورؐ نے مغفور لہم فرما دیا تو کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں کہ جہادِ مدینہ قیصر کا ثواب اسقدر بے نہایت ہے اور یہ فعل ایسا پسندیدۂ حق ہے کہ اس فوج کے تمام افراد کے تمام گناہ صغائر بھی کبائر بھی، حقوق اللہ بھی حقوق العباد بھی سب بخشدیئے جائیں گے، بلکہ اگر بالفرض ان مجاہدین میں سے کسی کو (معاذ اللہ) ایک تقدیر ازلی کے بموجب کفر و ارتداد کا بھی ابتلا پیش آجائے گا تب بھی اُس غزوہ کے جُملہ شرکار کیلئے (بلا استثناء مرد و عورت، امیر و مامور، سپاہی و سپہ سالار) حق تعالیٰ کی دوسری تقدیر یہ بھی ہو چکی ہے کہ اس ابتلاء کے بعد بھی اسے پھر توبۂ صادقہ کی توفیق یقیناً ہو جائے گی، اس طرح وہ مستحق مغفرت بن جائیگا اور حضورؐ کا

فرمان سچا اور پورا ثابت ہو کر رہے گا، گویا حضورؐ نے مغفور لہم فرما کر اُسی دوسری تقدیرِ خداوندی کی طرف اشارہ فرمایا تھا جو ابن التین کے گلے کے نیچے نہیں اُتر رہی ہے۔

ایک نظریہ ہے کہ ہر مسلمان کو اسپر ایمان لانا ضروری ہے، اگر ابن التین مکذبین بالقدر میں سے نہیں ہے تو ان کو آنکھ کھول کر وہ ارشادِ نبوی دیکھنا چاہیئے جسے بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہے (دیکھو مشکوٰۃ باب القدر عن سہل بن سعدؓ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ زندگی بھر دوزخیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے، اسی طرح بندہ جنتیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ دوزخی ہوتا ہے، بات یہ ہے کہ انسان کے آخری اعمال کا اعتبار ہوتا ہے"

یہ تو تھی تقدیر کی تھیوری اور نظریہ، اب اسکی ایک مثال بھی عہدِ سعادت ہی کی سُن لیجیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ سے کچھ وحیِ قرآنی لکھوائی، آیت فتبارک اللہ احسن الخالقین پر پہنچ کر ایک تقدیرِ الٰہی کی بموجب ان کو ارتداد کا ابتلا پیش آگیا مگر چونکہ ان کو جنتی ہونا تھا اسلئے دوسری تقدیرِ الٰہی سے وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سعی سے ان کے عہد میں دوبارہ اسلام لائے اور فاتح مصر بنے، رضی اللہ عنہ، حالانکہ لسانِ نبوت نے (جہاں تک مجھے علم ہے ان کے بارے میں مغفور لہم کی بشارت دی بھی نہیں تھی، اگر یزید سپہ سالار غزوۂ قسطنطنیہ کیلئے بھی جس سے شاید کفر و ارتداد ہوا بھی نہیں تھا، حق تعالیٰ نے حضورؐ کے ارشاد مغفور لہم کی لاج رکھنے کیلئے دوسری تقدیر، توبۂ صادقہ، قبل الموت، وفات علی الایمان کی فرما دی ہو تو ابن التین کو اس تقدیرِ الٰہی سے انکار کیوں ہے۔؟ بینوا توجروا ۔



عنایت فرمائم سلمہٗ ، بعد سلام مسنون

کئی دن ہوئے اوّل رسالہ تجلّی اور پھر گرامی نامہ پہنچا، رسالہ کی آمد سے تعجب ہوا کہ کیوں آیا، معمولی ورق گردانی سے بھی پتہ نہ چلا کہ کیوں آیا پھر گرامی نامہ کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ کوئی استفتا اسمیں ہے تو خیال ہوا کہ دارالافتار میں بھیج دوں اسلئے کہ یہ ناکارہ مفتی نہیں ہے نہ فتاویٰ کے جواب لکھتا ہے، اس ناکارہ کے نام جو فتاویٰ آتے ہیں وہ دارالافتار ہی میں بھیج دیتا ہے بلکہ زبانی بھی کوئی مسئلہ دریافت کرتا ہے تو مفتی صاحب کے پاس بھیج دیتا ہوں کہ افتار کی ذمہ داری سخت ہے اور یہ ناکارہ افتار کا اہل نہیں ہے، لیکن ایک صاحب نے جو اتفاق سے یہاں بیٹھے تھے رسالہ کو دیکھا اور اسمیں اس ناکارہ کے نام پر نظر پڑ گئی تو انھوں نے متوجہ کیا۔ اس پر دیکھ کر معلوم ہوا کہ فتویٰ نہیں ہے۔ بلکہ بخاری شریف کی ایک حدیث کے متعلق اشکال ہے۔ اس پر بھی اوّل تو یہ ہی خیال رہا کہ رسالہ اور گرامی نامہ دونوں واپس کر دوں، اسلئے کہ اوّل تو یہ ناکارہ اس میدانِ کارزار میں کودنے کی اہلیت نہیں رکھتا، دوسرے کئی ماہ سے آنکھوں میں تکلیف ہے۔ حکیم ڈاکٹر نزول آب بتاتے ہیں۔ نومبر سے ڈاک بھی عموماً دوسرے ہی لکھ رہے ہیں۔ اسلئے مراجعت کتب کی ان حالات میں ہمت بھی نہیں ہے۔ پھر اس خیال سے کہ مشہور حدیث ہے۔ بخاری شریف پڑھانے میں ۱۳۴۶ھ سے اس حدیث پاک پر کم و بیش کلام کرنا ہی پڑتا ہے اسلئے مراجعتِ کتب کی ضرورت بھی نہیں ۔

اسلئے جو ذہن میں سوالات کے متعلق حاضر ہے وہ لکھواتا ہوں، کوئی بات سمجھ میں آئے قبول فرمائیں، کوئی بات بھی قابلِ قبول نہ ہو تو کالائے بد بریش خاوند، اس پرچہ کو چاک فرمادیں، ردّ و قدح، مناظرہ اور جواب الجواب سے بندہ کو معذور خیال فرمادیں کہ یہ ناکارہ اس میدان میں کودنے کو آمادہ نہیں ہے۔

بندہ کے نزدیک عوام میں ایسے امور کا پھیلانا دینی حیثیت سے مضر ہے کہ وہ حدودِ دین میں نہیں رہتے، کسی ایک جانب کو جو بادی الرای میں ان کی سمجھ میں آجائے نہایت شد و مد سے لیکر دوسری جانب افراط و تفریط شروع کردیتے ہیں۔ لہٰذا مختصراً عرض ہے کہ۔

(۱) بندہ کے نزدیک مغفورٌ لھم سے مغفرتِ اُولیٰ ہی مراد ہے، جس سے دخولِ جنت اُولیٰ ہی مُراد ہے، اسکے باوجود ابن التین وغیرہ کو جو مشکلات پیش آئیں وہ آئندہ عرض کردوں گا، اور اگر دخول غیر اُولیٰ ہی مُراد ہو تب بھی کوئی مانع نہیں۔ اس صورت میں تبشیر کا مقصد ان کی مَوت علی الایمان کی بشارت ہے کہ اس صورت میں منتہیٰ کے اعتبار سے دخولِ جنت مُراد ہے اور تبشیر عدم خلود فی النار کی ہے۔

(۲) اس کا جواب بھی معلوم ہو گیا کہ یہ یقیناً خاص حالات میں مخصوص تبشیر ہے اور اس حدیث پاک کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ان جملہ شرکاءِ جیش کی جن میں یزید بھی ہے مغفرت کی بشارت ہے۔

(۳) یہ تو ظاہر ہے کہ تبشیرات شرائط کے ساتھ مقید ہُوا کرتی ہیں، اسکی نظیر تو آپ نے خود ہی اپنے سوال نمبر نو میں لکھدی، اسکے علاوہ بھی کتب فضائل اعمال میں بہت سی نظیریں ملیں گی جو کتب حدیث کی معمولی ورق گردانی سے بکثرت مل سکتی ہیں

فضائلِ وضو، فضائل نماز، فضائل جہاد، روزہ، حج وغیرہ کے فضائل میں بکثرت تبشیرات ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ سب مقید بقیود ہیں، کیا یہ عقل میں آتا ہے کہ آدمی ہزاروں گناہ کرتا رہے اور وضو سب کو ساتھ ساتھ دھوتی رہے۔

(۴) یہ تو ظاہر ہے کہ جو شرط اس حدیث مغفورٌ لھم میں مانی جائے گی وہ سب ہی جگہ ملحوظ ہوگی اور آپ نے تو نمبر پانچ میں خود ہی تسلیم کرلیا کہ ابن التین جو شرط لگاتے ہیں وہ بات صحیح اور تسلیم تو ہے۔

(۵) آپ کا یہ ارشاد کہ یہ بات صحیح تو ہے مگر اس کا طرزِ بیان شرط و جزا سے ہوتا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ دونوں طرح کے سیاق کثرت سے احادیث میں ملیں گے اسی حجۃ الوداع کے قصہ میں مشکوٰۃ کے اسی باب میں جس سے آپ نے حدیث مندرجہ سوال نمبر نو نقل کی ہے۔ حضرت جابر کی حدیث میں اللہ تعالیٰ شانہ کا پاک ارشاد اشھد کمرانی غفرت لھمر ہے۔

اس ناکارہ کے رسالہ فضائل رمضان میں متعدد روایات بغیر شرط و جزاء کے آپ کو ملیں گی مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت یغفر لھمر فی آخرہ اور حضرت انسؓ کی روایت[1] اذا کان یوم عید ھمر یاھی جھمر ملئکتہ فقال یاملائکتی ماجزاء اجیر وفی عملہ، قالوا ربنا جزاوہ ان یوفی اجرہ قال ملائکتی عبیدی وامائی قضوا فریضتی علیھمر ثمر خرجوا یعجون الی الدعاء وعزتی وجلالی وکرمی وعلوی وارتفاع مکانی لاجیبنھمر فیقول ارجعوا فقد غفرت لکمر وبدلت سیاتکمر حسنات قال

---

[1] فضائل رمضان صفحہ ۴۰

نیرجون مغفور الھم، کیا آپ اس حدیث کے جو موکد بالاحلاف بھی ہے مغفورٌ الہم اور حدیثِ قسطنطنیہ کے مغفور لہم میں کوئی فرق کریں گے ؟ جب کہ یہاں بھی شرط وجزا نہیں ہے، یا اس حدیث کی بنا پر جملہ صائمین کو دخول اولیٰ بخشیں گے، چاہے کتنے ہی فسق وفجور کے مرتکب ہوں اور کتنے ہی قتل عمد اور نہب وغارۃ کے مرتکب یہ صائمین ہوں، اس نوع کی بکثرت روایات آپ کو ملیں گی

(۶) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی بشارتیں احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوں گی چاہے وہ افراد کی ہوں جیساکہ عشرہ مبشرہ وغیرہ یا جماعت کی ہوں اُن سے دخولِ اُولیٰ ہی مُراد ہے، لیکن ناوکِ شروط سب جگہ مجبوراً ماننا پڑے گا ورنہ نصوصِ قطعیۂ قرآن وحدیث جن میں کبائر پر وعیدیں آئی ہیں وہ سب غلط کہنا پڑیں گی، اسکے بعد جہاں کوئی معارض نہ ہوگا جیساکہ عشرۂ مبشرہ وغیرہ کی روایات ہیں وہ اپنے ظاہر پر رہیں گی اور جہاں بھی روایات تبشیر دوسری نصوص بالخصوص نصوص قطعیہ سے معارض ہوجائیں گی وہاں مجبوراً تاویل کرنی پڑے گی، جیساکہ ہمیشہ اختلاف روایات کے موقعہ پر کرنا پڑتا ہے، یہی مجبوری ان سب حضرات اکابر کو سلفاً خلفاً پیش آئی جس کی وجہ سے حدیث قسطنطنیہ کی تاویلات کی ضرورت پیش آئی اور مختلف تاویلات اکابر سے نقل کی گئیں۔

(۷) جب کہ ان حضرات کو بخاری شریف کی حدیث کی مجبوراً توجیہ کرنی پڑی، تو جمع الفوائد کی روایت (لکبیر بلین مطولاً) سے مرعوب ہونا تو مشکل ہے اور ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد کے بعد کسی غوث، قطب کو کیا حق ہوسکتا ہے

له جمع الفوائد صفحہ ۲۱۸ جلد دوم، مطبوعہ مطبعہ خیریہ میرٹھ

کہ خلافِ شرع کچھ کہہ سکے جب کہ خود سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو لقد کدت ترکن الیہم شیأً قلیلا پر لاذقنٰك ضعف الحیات وضعف الممات کا ارشاد عالی وارد ہوگیا۔ لیکن جب یہ روایات ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءه جهنم خالدًا فیها وغضب الله علیه ولعنه (الآیۃ) کی وعیدات قطعیہ کے خلاف ہوجائیں تو غوث قطب نہیں بلکہ عام مومن بھی روایت کی تاویل وتوجیہ کی طرف دوڑے گا۔

یہ امر آخر ہے کہ یزید اس آیت کا مصداق ہے یا نہیں، لیکن جن کے نزدیک اس آیت کے مصداق میں داخل ہے وہ ایک بخاری یا جمع الفوائد کیا نص قطعی کے مقابلہ میں سب اخبار آحاد کو رد کرینگے یا توجیہ کریں گے۔

(ب) بالفرض سے جو آپ نے لکھا وہ تو نیت سے تعلق رکھتا ہے جس کا اس ناکارہ کو تو علم نہیں کہ کس خیال سے قتل کیا تھا اسلئے یہ ناکارہ تو کوئی حکم نہیں لگاتا، مگر ابن التین، تفتازانی وغیرہ متشددین کے نزدیک اگر محض حصول سلطنت اور اپنے وقار کا مخالف اور دنیوی اغراض کے خیال سے قتل کیا ہو تو وہ تو سب کچھ کہیں گے۔

آپ نے حضرت عمرؓ کا ارشاد اتقیا اللہ الخ کا حوالہ تحریر نہیں فرمایا کہ حدیث کی کونسی کتاب میں ہے اور بندہ اس وقت مراجعت کتب سے معذور ہے مگر جمع الفوائد کے جس باب سے آپ نے ام سلمہ کی حدیث بالا نقل فرمائی اس باب میں ابن عمر کی یہ حدیث آپ نے ملاحظہ نہیں فرمائی انظروا الی هذا یسألنی عن دم البعوض وقد قتلوا ابن النبی صلی الله علیه وسلم، وفی

روایة تسالونا عن قتل الذباب وقد قتلتم ابن بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی اخری ما اسالھم عن الصغیرة واجراھم علی الکبیرة[1] (للبخاری) اگر ابن عمر کے نزدیک یہ آپ کی مندرجہ حدیث کے تحت میں تھا اور ان کا قتل مامور بہ تھا تو وہ قاتل کو اجراء علی الکبیرہ نہ فرماتے۔

میرے خیال میں حضرت ابن عمر کا ذکر آپ نہ فرماتے تو آپ کیلئے زیادہ مفید ہوتا کیونکہ وہ آپ کے خلاف معلوم ہوتے ہیں کہ وہ قاتلین کو مرتکب کبیرہ بتاتے ہیں حدیث اقتلوہ کائنا من کان اگر مشہور ہے تو لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق بھی شہرت میں کم نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ ہی مشہور ہے اور من رأی منکراً فلیغیرہ بیدہ (الحدیث) دونوں سے زیادہ مشہور ہے ولتاخذن علی یدی الظالم ولتاطرنہ علی الحق اطراً ولتقصرنہ علی الحق قصراً، او لیضربن اللہ قلوب بعضکم علی بعض ثم لیلعنکم کما لعنھم بھی حضورؐ ہی کا ارشاد ہے۔

نیز جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مامور و مرسل امیر کے متعلق مامر کے خلاف کرنے کی صورت میں معزول نہ کرنے پر ناراضی کا اظہار فرماتے ہیں جیساکہ ابوداؤد شریف کی حدیث ہے۔

لو رأیت ما لامنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اعجزتم اذا بعثت رجلا منکم فلم یمض لامری ان تجعلوا مکانہ من یمضی لامری۔

تو اگر امام حسین اپنے کو اس سے عاجز نہیں سمجھتے اور اس ارشاد کی تعمیل کی

---

[1] جمع الفوائد ص۲۱۷ جلد دوم [2] مشکوٰة۔ مطبوعہ رشیدیہ دہلی، [3] ابوداؤد شریف۔

سعی فرماتے ہیں تو وہ کیسے وعیدات بالا میں داخل ہوں گے اور جو حضرات عوارض یا عدم قوت کی وجہ سے یا فتنہ کے خوف سے اپنے کو عاجز سمجھتے ہیں ان کو یقیناً روکنا ہی چاہیے تھا، اسلئے جن حضرات صحابہ کرام نے شرکت سے روکا ان پر بھی اشکال نہیں اور جنھوں نے منکر کو روکنے کی سعی فرمائی ان پر بھی ملامت نہیں۔

(۸) یقیناً یہ وحی بھی ہے، بشارت بھی ہے، دخول اُولیٰ بھی ہے اور جو آپ فرمانا چاہیں وہ سب کچھ ہے لیکن خبر واحد ہے قطعی نہیں ہے، اسلئے جب اُن نصوص قطعیہ کے خلاف ہوگی جن میں کبائر اور قتل عمد وغیرہ پر وعیدیں ہیں تو لامحالہ کوئی توجیہ کرنی پڑے گی، اسی لئے اکابر سلفاً خلفاً توجیہات فرماتے رہے۔

(۹) یہ نمبر بالکل سمجھ میں نہیں آیا، میرے خیال میں تو اس نمبر میں آپنے سابقہ دلائل کا سب کا خود ہی رد کردیا۔ سلم وسلامتی والا اسلام اور شان رحمت للعالمینی اور مالک کی غفاریت اور رحمانیت کی روح اپنی جگہ لیکن وہی سلم وسلامتی والا اسلام حدود وقصاص پر کتنا زور دیتا ہے۔ وہی رحمت للعالمین جن کی شان رأفت اور رحمت للعالمین ہونا نص قطعی ہے لیکن ان ہی کی صفات میں اذا انتھک من محارم اللہ تعالیٰ شیئ کان من اشدھم فی ذلک غضباً[1] بھی ہے وہ فتح مکہ کے عفو عام میں سے چند کو یہ کہہ کر مستثنیٰ بھی فرمادیتا ہے کہ لا اومنھم فی حل ولا حرم، اور ابن خطل کے تعلق باستار الکعبہ کے باوجود اقتلہ کا حکم فرماتا ہے مالک اور ارحم الراحمین اپنی ساری رحمت کے باوجود قرآن پاک میں اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا اولئک لاخلاق لھم

---

[1] شمائل ترمذی، باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

فی الآخرة ولا یکلمهم الله ولا ینظر الیهم یوم القیامة ولا یزکیهم ولهم
عذاب الیم ۔ بھی فرماتا ہے ۔ وہ انزلنا علی الذین ظلموا رجزا من السماء
بما کانوا یفسقون ۔ بھی فرماتا ہے ۔ جو سید الکونین کو بھی ولئن اتبعت اھواءھم
من بعد ما جاءك من العلم انك اذا لمن الظالمین ارشاد فرماتا ہے ۔
جو من لم یحکم بما انزل الله فاولئك هم الظالمون ۔ فرماتا ہے جو ثم
قیل للذین ظلموا ذوقوا عذاب الخلد بھی فرماتا ہے ، جو انا اعتدنا
للظالمین نارا احاط بهم سرادقها بھی فرماتا ہے جو قد خاب من حمل
ظلما بھی فرماتا ہے ، جو الذین ظلموا من هؤلاء سیصیبهم سیأت
ما کسبوا فرماتا ہے ۔ جو لا یرد باسنا عن القوم المجرمین فرماتا ہے ۔ جو
انا من المجرمین منتقمون ۔ بھی فرماتا ہے وہ وامتازوا الیوم ایها المجرمون
بھی فرماتا ہے ، ان المجرمین فی عذاب جهنم خلدون بھی فرماتا ہے ۔
ان المجرمین فی ضلال وسعر ۔ یوم یسحبون فی النار علی وجوههم
ذوقوا مس سقر بھی فرماتا ہے ۔ ومن یکتسب خطیئة او اثما ثم یرم
به بریئا فقد احتمل بهتانا واثما مبینا بھی فرماتا ہے ، وکفی بربك
بذنوب عباده خبیرا بصیرا بھی فرماتا ہے ، والذین کسبوا السیات
اور الذین فسقوا فماواهم النار بھی فرماتا ہے ۔

کہاں تک نقل کروں ، قرآن پاک کی سیکڑوں آیات ان مضامین وعید پر مشتمل ہیں ، آپ خود غور کریں کہ جن لوگوں کی تحقیق میں یزید ظلم تعدی فسق و فجور کی آیات میں داخل ہو ۔ اسکو بخاری شریف کی ایک روایت مغفور لهم میں داخل

ہونا کیسے بچا سکتا ہے ۔

یہ امر آخر ہے کہ وہ ان میں داخل ہے یا نہیں ؟ لیکن اگر داخل ہو تو آپ ہی بتائیں کہ آپ کیا کہیں گے آپ خود مجبور ہوں گے اسی کے کہنے پر جو تفتازانی وغیرہ نے کہا ۔

آپ نے اس موقعہ پر عرفہ والی روایت مغفرت عامہ کی اپنی تائید میں لکھی مجھے حیرت ہے کہ یہ حدیث آپ نے کیوں لکھدی یہ حجۃ لکم ہے یا حجۃ علیکم اس نے تو آپ کی ساری تحریر کا خود ہی جواب بتادیا ، کیا اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ سال بھر تک قتل و غارت کرتے رہیں ، خوب لوٹ مار کریں ، مسلمانوں کا قتل عام کریں ، ان کے مالوں کو لوٹیں ، نہ نماز پڑھیں نہ روزہ رکھیں ، کوئی معروف نہ کریں ، کوئی منکر نہ چھوڑیں ، عمر بھر میں ایک مرتبہ حج کرلیں پھر عمر بھر کو ان کی چھٹی ہے ، جو جو مظالم چاہیں کرتے رہیں وہ سب باری عز اسمہ کے ذمہ اور حقوق اللہ اور اسکے محارم کا انتہاک سب معاف ـــــ میری سمجھ میں بالکل نہیں آتا کہ آپنے یہ حدیث کیوں لکھدی جس کے متعلق ملا علی قاری نے ضعفه غیر واحد من الحفاظ لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ظاهر الحدیث عموم المغفرة وشمولها حق الله وحق العباد الا انه قابل للتقیید بمن کان معه صلی الله علیه وسلم فی تلك السنة او بمن قبل حجه
بان لم یرفث ولم یفسق ۔ ومن جملة الفسق الاصرار علی المعصیة وعدم التوبة ومن شرطها اداء حقوق الله الفائتة وقضاء حقوق العباد
اور بحث کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ اذا تاملت ذلك کله علمت انه لیس

فی ھذہ الاحادیث مایصلح متمسکالمن زعم ان الحج یکفر التبعات لان الحدیث ضعیف بل ذھب ابن الجوزی الی انہ موضوع ـــ اور یہ بھی لکھا ہے قال البیھقی فلا ینبغی لمسلم ان یغیر نفسہ بان الحج یکفر التبعات ۔ فان المعصیۃ شؤم وخلاف الجبار فی اوامرہ ونواھیہ عظیم واحد نا لا یصبر علی حمی یوم او وجع ساعۃ فکیف یصبر علی عقاب شدید ، وعذاب الیم الخ ۔ [۱]

اس ناکارہ کی شرح موطا اوجز المسالک میں بھی اس مسئلہ پر مختصر بحث ہے جسمیں قاضی عیاض کا یہ قول بھی نقل کیا ہے اجمع اھل السنۃ ان الکبائر لا یکفرھا الا التوبۃ ولا قائل بسقوط الدین ولو حقا اللہ کدین صلوٰۃ وزکوٰۃ ـــــــــ اور اسی میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے من اعتقد ان الحج یسقط ما وجب علیہ من الحقوق یستتاب والا قتل ولا یسقط حق الادمی بحج اجماعا ۔ اھ ۔ [۲] حالانکہ مختلف طاعات کے مکفر سیئات ہونے کے بارہ میں بہت کثرت سے روایات وارد ہوئی ہیں ۔ لیکن نصوص قطعیہ کے خلاف کی وجہ سے اکابر اُمت کو سلفاً خلفاً ان کی توجیہات مختلفہ کرنے کی ضرورت پیش آئی ، اس صورت میں اگر بخاری شریف کی ایک حدیث کے مغفور لہم کی توجیہات کرنی پڑیں تو کیا استحالہ ہے ۔

درحقیقت آپ نے عباس بن مرداس والی حدیث لکھ کر علماء کو اس طرف متوجہ کیا کہ وہ ابن التین کے فیصلہ کو آپ کے فیصلہ پر ترجیح دیں ۔

---

[۱] مرقات شرح مشکوٰۃ ص۲۲۱ جلد ثالث . [۲] اوجز المسالک جلد ثالث

آپ نے لکھا کہ ابن التین ذرا دیکھیں کہ اس حدیث میں بھی اسی مغفرت کا ذکر ہے جس کے ایک صیغہ مغفور لہم نے ان کو بدحواس اور تاویلات پر آمادہ کر دیا ۔ لیکن آپ ہی اپنے اقرار کی رو سے دیکھیں کہ عباس بن مرداس کی حدیث میں بھی وہی صیغہ ہے جو قسطنطنیہ والی حدیث میں ہے تو کیا آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام وتقدیس اور انعام خداوندی کی خاطر یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ سارے مسلمان خوب قتل وغارت ، حرام کاری ، زنا کاری وغیرہ ہر منکر کرتے رہیں ، کسی معروف کے پاس نہ پھٹکیں ، کسی منکر سے ذرا بھی نہ بچیں البتہ عمر بھر میں ایک حج کر لیں ، پھر مزے ہی مزے ہیں ۔

اسمیں ذرا تصنع نہیں کہ میری عقل بالکل حیران ہے کہ یہ عرفہ والی حدیث آپنے کیا سوچ کر لکھدی ، ابن التین کے حامیوں کی خود ہی رہنمائی کی کہ بخاری شریف کی حدیث مغفور لہم قابل تاویل ہے ، اسلئے کہ عرفہ والی حدیث کے بھی بقول آپکے وہی لفظ ہیں اور وہ قطعاً ماول ہیں ، وہ اپنے ظاہر پر اگر رہیں تو آخرت میں جو ہوگا ، سو ہوگا ، دنیا میں بھی ظھر الفساد فی البر والبحر قائم ہو جائے گا ، نہ معلوم ابن التین کی مخالفت میں آپ خود کہاں پہنچ گئے ۔

(۱۰) بندہ کے خیال میں نمبر نو کے بعد اس کے جواب کی ضرورت نہیں ہے ۔ اسمیں آپ نے کوئی نئی بات نہیں لکھی بلکہ اسی کا دوسرے الفاظ میں اعادہ کر دیا ۔ میں ابن التین کی طرف سے آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جب عرفہ والی حدیث اور قسطنطنیہ والی حدیث کے الفاظ بقول آپ کے ایک ہی ہیں اور اس جہاد میں مرتکبین کبائر قاتل مسلم آمر بالقتل وغیرہ سب ہی ہوں گے جیسا کہ مغفور لہم سے معلوم

ہوتا ہے اور سب کے جملہ معاصی و مظالم معاف جنت کا دخول اولیٰ ان کیلئے طے شدہ ہے تو پھر ساری دُنیا کے بدمعاش، لٹیرے، زانی، شرابی، بے نمازی، روزہ خور، سود خوار کیوں حج سے مغفورٌ لہم نہیں بنیں گے۔

کسی حاجی کا چاہے وہ حج سے قبل اور بعد کتنا ہی بدکار رقاتل مسلمین کیوں نہ رہا ہو، جنت میں دخول اُولیٰ طے ہے اور ایک حج ہی کیا فضائل اعمال کی احادیث میں تکفیر السیئات اس کثرت سے وارد ہیں کہ لاتعد ولا تحصیٰ، لیکن اسکے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ المفلس من امتی من یاتی یوم القیامۃ بصلوٰۃ وبصیام وزکوٰۃ ویاتی قد شتم ھذا وقذف ھذا واکل مال ھذا وسفك دم ھذا وضرب ھذا فیعطی ھذا من حسناته وھذا من حسناته (الی اٰخر الحدیث رواہ مسلم) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد آپ کے زعم باطل کے مطابق ضرور سچا ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ شانہ کا پاک ارشاد ومن یقتل مومنًا متعمدًا فجزاؤہ جھنم خالدًا فیھا وغضب اللہ علیه ولعنه واعد له عذابًا عظیما۔ بلا سے غلط ہو جائے۔

آپ نے آخر میں حدیث قدر کو بھی پیش کیا۔ بندہ اپنے قلت فہم کی وجہ سے اس استدلال کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اسلئے کہ بندہ کو علم نہیں کہ علام الغیوب نے یزید کی تقدیر میں کیا لکھا تھا، آپ کے علم میں اگر ہے تو یقیناً حدیث سے استدلال کرلیں، اس ناکارہ نے تو قرآن پاک میں قل ما کنت بدعا من الرسل وما ادری ما یفعل بی ولا بکم پڑھا ہے اور بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد دیکھا ہے انّ اناسًا کانوا یؤخذون بالوحی فی عہد رسول اللہ صلی اللہ

علیه وسلم وان الوحی قد انقطع وانما نأخذکم الاٰن بما ظھر لنا من اعمالکم فمن اظھر لنا خیرًا امناہ وقربناہ ولیس الینا من سریرته شیٔ اللہ محاسبه فی سریرته۔ ومن اظھر لنا سوءً لم نأمنه ولم نصدقه وان قال ان سریرته حسنة[1] اسلئے ہم لوگ تو ظاہر حال ہی کے موافق حکم لگا سکتے ہیں باطن احوال یا مقدرات کو تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اسلئے جن کا ظاہر فسق و فجور میں مبتلا ہو اسکو عشرہ مبشرہ کی لائن میں شمار کرنا مشکل ہی ہے۔

یہ سب تو آپ کے استفسارات کے متعلق ہے، خود یہ ناکارہ اس مسئلہ میں حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہ کا متبع ہے۔ ایک طویل سوال کے ذیل میں حضرت قدس سرہ کا جواب یہ نقل کیا گیا ہے۔

"اس قدر تطویل سوال میں بے فائدہ کی ہے، حدیث صحیح ہے کہ جب کوئی کسی پر لعنت کرتا ہے اگر وہ شخص قابل لعن کا ہے تو لعنت اسپر پڑتی ہے، ورنہ لعنت کرنے والے پر رجوع کرتی ہے۔ پس جب تک کسی کا کفر پر مرنا محقق نہ ہوجائے اسپر لعنت کرنا نہیں چاہیئے کہ اپنے اوپر عود لعنت کا اندیشہ ہے، لہٰذا یزید کے وہ افعال ناشائستہ ہر چند موجب لعن کے ہیں مگر جن کو محقق اخبار سے اور قرائن سے معلوم ہو گیا کہ وہ ان مفاسد سے راضی وخوش تھا اور ان کو مستحسن اور جائز جانتا تھا اور بدون توبہ کے مر گیا تو وہ لعن کے جواز کے قائل ہیں اور مسئلہ یونہی ہے اور جو علماء اسمیں تردد رکھتے ہیں کہ اول میں وہ مومن تھا

[1] بخاری شریف جلد دوم صفحہ ۳۶۰

اسکے بعد ان افعال کا وہ مستحل تھا یا نہ تھا اور ثابت ہوا یا نہ ہوا، تحقیق نہیں ہُوا۔ پس بدوں تحقیق اس امر کے لعن جائز نہیں، لہٰذا وہ فریق علماء کا بوجہ حدیث منعِ لعنِ مسلم کے لعنت سے منع کرتا ہے اور یہ مسئلہ بھی حق ہے۔ پس جواز لعن و عدم جواز کا مدار تاریخ پر ہے۔ اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے، کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، لعن نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنّت نہ مستحب محض مباح ہے اور جو وہ محل نہیں ہے تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں۔" فقط واللہ اعلم رشید احمد[1]

بس یہی اس ناکارہ کا مسلک ہے۔ رہی یہ بات کہ اسکے فسق و فجور کی روایات سب یکسر غلط ہیں (یہ دعویٰ) مشکل ہے جب کہ تاریخی روایات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کو رد کرنا جو بحد تواتر تقریباً پہنچ گئی ہوں تاریخ سے کلیۃً اعتماد اُٹھانا ہے، اور اگر یہ سب روایات اپنی کثرت کے باوجود رد کی جاسکتی ہیں تو پھر بھی کونسا نص قطعی ہے کہ یزید اس لشکر میں شریک تھا، یہ بھی تاریخ ہی کی روایات ہیں۔ مخالف کو حق ہے کہ وہ اس کی ہی تغلیط کردے کہ یزید اس لشکر میں شریک تھا۔

آخر میں اس ناکارہ کی یہ بھی درخواست ہے کہ مسلمانوں کو اس اہم موقعہ پر دین کے اہم کاموں میں مشغول ہونا چاہیئے۔ یہ بے فائدہ بحث ہے جس کا اس وقت عمل سے کوئی تعلق نہیں ہم لوگوں کے ذمہ اس مقدمہ کا فیصلہ نہیں ہے۔ عوام کی عقول ان وقائع کی باریکیوں تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ دلائل ہر فریق کے پاس نصوص سے بکثرت ہیں۔ ایسی حالت میں ایسی فضول بحثوں سے عوام میں انتشار پھیلانا اس

[1] فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ کراچی جلد اول صفحہ ۳۹

ناکارہ کے نزدیک ہرگز مناسب نہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مشہور مقولہ جس کو انہوں نے مشاجرات صحابہ کے متعلق سوال پر فرمایا تھا۔ تلک دماء طھر اللہ ایدینا فلا نلوث السنتنا بھا۔ آب زر سے لکھنے اور اسوہ بنانے کے قابل ہے اس کو یہ ناکارہ اپنے رسالہ الاعتدال میں تفصیل سے لکھ چکا ہے جی چاہے تو ملاحظہ کرلیں۔

لہٰذا یزید نے جو کچھ کیا وہ لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت میں داخل ہے۔

کہاں تک روئے گا او جینے والے مرنے والے کو
کچھ اپنی فکر کر تجھ کو پرائے غم سے کیا مطلب

اس وقت مسلمانانِ عالم الحاد و دہریت میں اور اس سے بڑھ کر بھارتی مسلمان ارتداد کے دروازہ پر ہیں مساعی جمیلہ کو ان کے پختہ مسلمان بنانے میں صرف کریں جس میں نہ کسی کا اختلاف نہ کوئی آخرت کی جوابدہی کا خطرہ وفقنی اللہ وایاکم لما یحب ویرضی۔

زکریا، مظاہر علوم (سہارنپور)
۱۱ر شوال ۱۳۸۰ھ

عزاسمہ یاساترالعیوب

کام لیتا ہی وہ جیسی خامۂ تحریر سے

کرسکی ہرگز نہ خوبی سے تدبیر سے

عقل کیا اسکو کہیں اشراق سے بھی ہا زیادہ سے

بس ہٹا دیتا ہے وہ تدبیر کو تقدیر سے

مشقہ محمد عبدالرحیم غفر اللہ ذنوبہ در سنہ ۱۳۲۳ ہجری

تاریخ وفات جناب والد محترم محمد عبدالرحیم خاطر جیپوری رحمہ اللہ
۱۸ جمادی الاول ۱۳۷۳ھ مطابق ۲۴ جنوری ۱۹۵۴ء بمقام کراچی
ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

حضرت علیؓ اور علومِ نبویؐ

از

جناب مولانا محمدؒ عبدالرشید نعمانی

حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ جو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے ابنِ عم، آپ کے داماد، سابقین الاولین میں ممتاز، سب سے پہلے اسلام لانے والے، عشرہ مبشرہ کے بزم نشیں، خلافتِ راشدہ کے چوتھے رکن، ان کے فضائل وکمالات کو کوئی کیا بیان کرے۔

بقول حافظ ابن حجر عسقلانی

مات فی رمضان سنۃ اربعین وھو یومئذ افضل الاحیاء من بنی آدم بالارض باجماع اھل السنۃ۔ (تقریب التہذیب)

رمضان ۴۰ھ ہجری میں جب اس خاکدانِ عالم کو آپ نے خیرباد کہا تو باجماع اہلِ سنّت روئے زمین پر جتنے بھی انسان بقیدِ حیات تھے اُن سب سے آپ افضل تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ

اِنَّ الْخِلَافَةَ لَمْ تُزَيِّنْ عَلِيًّا بَلْ عَلِيٌّ زَيَّنَهَا۔

خلافت نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زینت نہیں بخشی بلکہ حضرت علی رضؓ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کو زینت بخشی [1]

اور اسی بنا پر امام ممدوح کی تصریح ہے کہ

من لم یربع بعلیؓ فی الخلافۃِ   جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفۂ چہارم

فھو اضل من حمار اھلہ [2]   نہ مانے وہ اپنے گھر کے گدھے سے بھی

زیادہ بے وقوف ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی گرانقدر تصنیف "قرۃ العینین فی تفصیل الشیخین" میں حضرت مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے فضائل کا ایک مختصر سا جائزہ لیا ہے جو ہدیہ ناظرین ہے۔ فرماتے ہیں :

علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل بہت ہیں اور ان کے مناقب بے شمار۔

۱۔ وہ پہلے ہاشمی ہیں جو ایک ہاشمی خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے۔

۲۔ اُن کی ولادت خانۂ کعبہ میں ہوئی ۔ یہ ایسی فضیلت ہے جو اُن سے پہلے صرف ایک صاحب کو نصیب ہوئی تھی۔ اور یہ صاحب جیسا کہ "مُستدرک حاکم" میں مذکور ہے، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

۳۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آغوش تربیت میں نشو و نما پائی۔

۴۔ ایک قول کے مطابق یہی پہلے شخص ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائے۔ دوسرے قول کے مطابق پہلے مسلمان حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

---

[1] حافظ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اس کو امام احمد سے بسند روایت کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو "تاریخ بغداد" ج ۔ ۱، ص ۱۳۵ ۔ طبع مصر)

[2] "منہاج السنۃ" از حافظ ابن تیمیہ ۔ ج ۔ ۱، ص ۱۴۴ طبع مصر ۱۳۲۱ھ

۵۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ عنہ کے خویش (داماد) تھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد کا سلسلہ ان ہی کے صلب سے باقی رہا۔

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے موقع پر بستر نبوی پر جا کر یہی سوئے تاکہ لوگ یہ گمان نہ کریں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جا چکے ہیں۔

۷۔ (مدینۂ نبوی میں) عقد مواخات کے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مواخات (یعنی آپ کے بھائی بننے) کا شرف حاصل ہوا۔

۸۔ غزوۂ بدر میں قریش کے پہلوانوں نے جب مبارزت طلب کی تو حضرت علی مرتضیٰ حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی ان کے مقابلہ میں میدانِ جنگ میں اُترے اور غالب رہے اور پھر اس بشارت سے سرفراز ہوئے کہ "روزِ قیامت جب (مومنین کی) کفار سے مخاصمت شروع ہوگی تو سب سے پہلے حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں بزرگوں کے ساتھ حق تعالیٰ کے حضور میں کھڑے ہوں گے۔"

۹۔ غزوۂ اُحد میں ان چند بزرگوں میں سے یہ بھی تھے جو معرکے میں ثابت قدم رہے اور اس جنگ میں نمایاں سعی آپ سے ظاہر ہوئی۔

۱۰۔ غزوۂ خندق میں عمرو بن عبدوُدّ کو جو قریش کا مشہور پہلوان تھا جہنّم رسید کیا۔

۱۱۔ غزوۂ خیبر میں آشوب چشم کی وجہ سے جو اس وقت آپ کو لاحق تھا اوّلاً شرکت کا موقع نہ مل سکا لیکن بعد کو توفیق الٰہی نے دستگیری کی اور باوجود آشوب چشم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے آشوب چشم سے شفا پائی اور قلعۂ خیبر آپ ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا، اور اس موقع پر ایسی

فضیلت نامہ آپ کے نصیب میں آئی کہ زبانِ رسالت سے یہ کلمات آپ کے حق میں صادر ہوئے

سابعث غداً رجلاً یحب اللهَ ورسولَہ ویحبہ اللهُ ورسولُہٗ۔ — میں کل ہی ایسے شخص کو اس مہم پر بھیجوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسولؐ اس سے محبت رکھتے ہیں۔

۱۲۔ غزوات نبوی میں بہت سے مواقع پر عساکر نبوی کے علم بردار آپ ہی تھے۔

۱۳۔ ۹ھ ہجری میں آیۂ برأت کی تبلیغ کا شرف آپ ہی کے حصہ میں آیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرماتے ہوئے کہ

لا یبلّغہ الا انا اورجل منی — اس کی تبلیغ یا تو میں کرسکتا ہوں یا میرے خاندان کا کوئی فرد۔

اس حکم کی تبلیغ کی ذمہ داری آپ ہی کے سپرد کی۔

۱۴۔ غزوۂ تبوک میں مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہوئے اور اس باب میں

انت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی — جو منزلت ہارون کی موسیٰؑ کے یہاں تھی وہی تمہاری میرے یہاں ہے کی فضیلتِ عظمیٰ آپ کو نصیب ہوئی۔

۱۵۔ ہجرت کے آخری سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی حکومت پر آپ کو متعین فرمایا اور وہاں کا قلعہ آپ کے ہاتھوں فتح ہوا۔

۱۶۔ اور جب مال غنیمت کے خمس میں سے ایک لونڈی آپ کے حصہ میں آئی اور اس کے بارے میں لوگوں میں قیل وقال شروع ہوگئی تو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے پاس غیرت کی بنا پر لوگوں کو اُن کی ایذارسانی سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا

ھو منی وانا منہ — (تم نے علی کو کیا سمجھا ہے) وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔

۱۷۔ اور "غدیر خم" کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ — میں جس کا دوست ہوں علی اس کے دوست ہیں۔

۱۸۔ اور مباہلہ کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل بیت کو اپنے ہمراہ لے کر تشریف فرما ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ تھے۔

۱۹۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہ دعا فرمائی

اللھم ھؤلاء اھل بیتی فطھّرھم تطھیرًا — اے اللہ یہ لوگ (علیؓ، فاطمہؓ وحسنین) میرے اہل بیت ہیں تو ان کو خوب پاک کردے

تو حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان حضرات میں نہ صرف شامل بلکہ ان سب کے بڑے تھے۔

۲۰۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان کے حق میں ارشاد ہے:

لایحب علیاً منافق — علی سے نہ کوئی منافق محبت رکھ سکتا ہے
ولا یبغضہ مومن — اور نہ کوئی مومن بغض رکھ سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا اس بنا پر تھا کہ آپ امرِ حق پر عمل پیرا اور امرِ الٰہی کی بجاآوری میں شدت کے ساتھ سرگرم تھے۔

۲۱۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب حکم دیا کہ مسجد نبوی کے سب دروازے، جو لوگوں نے اپنی نجی آمد و رفت کے لئے کھول رکھے ہیں بند کر دیئے جائیں تو حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کے دروازے کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا۔ کیونکہ ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمسائگی کا شرف حاصل تھا اور آپ کو ان کا قرب مطلوب تھا۔

ان اکیس۲۱ فضائل کو بیان کرنے کے بعد شاہ صاحب ممدوح کے الفاظ ہیں :

ایں بود شرح قیام او بیک جناح نبوت کہ افشائے اسلام است، و نصرت او در جناح دیگر از جناحینِ خلافت نبوت کہ افشائے علم است آثار جمیلہ از وے ظاہر شدند۔	اشاعت اسلام جو نبوت کا ایک بازو ہے اس کے برپا کرنے میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو مساعی تھیں یہ ان کی شرح ہے اور خلافت نبوت کے دو بازوؤں میں سے دوسرے بازو کی نصرت یعنی اشاعتِ علم کے سلسلے میں جو آپ سے آثارِ جمیلہ ظاہر ہوئے (اُن کی تفصیل یہ ہے)

۱۔ تعلیم قرآن۔ چنانچہ تاحال آپ کی روایت باقی ہے اور قُرّاء سبعہ میں سے بعض حضرات اس قرآن مجید کو آپ سے روایت کرتے ہیں۔

۲۔ حدیث نبوی کی روایت کے اعتبار سے آپ کا شمار مُکثرین میں ہے یعنی ان اصحاب میں جن سے بکثرت احادیث نبویہ مروی ہیں۔

۳۔ فقہ۔ آپ کے عہد خلافت میں آپ کے ہاتھوں بکثرت مسائل کے فیصلے ظاہر ہوئے۔ اور امت میں محفوظ رہے۔

۴۔ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے علم کی گواہی دی اور فرمایا کہ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْحِکْمَۃِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا "میں حکمت کا شہر ہوں اور علی اُس کا دروازہ ہیں"۔

۵۔ اور مسائل قضا میں ان کے تفوّق کو بھی بتایا، چنانچہ ارشاد ہے :
اقضاکم علیٌّ۔ "تم میں سب سے بڑے قاضی (مسائل کا فیصلہ کرنے والے) علیؓ ہیں"۔

۶۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امر سے پناہ مانگا کرتے تھے کہ کوئی سخت الجھا ہوا مسئلہ اُن کے سامنے ایسے وقت پیش آئے کہ جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود نہ ہوں۔

۷۔ خود حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ

سلونی عن کتاب اللہ فو اللہ ما من اٰیۃٍ اِلّا و انا اَعلمُ اَ بلیلٍ نزلت ام بنھار ام فی سھل او فی جبل	مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں پوچھ لیا کرو بخدا کوئی ایسی آیت نہیں جس کے بارے میں مجھے علم نہ ہو کہ وہ رات میں اُتری تھی یا دن میں اور وہ وادی میں اُتری تھی یا پہاڑ پر۔

۸۔ حکمت۔ اور ذہن کا جلدی سے (مسئلہ کی حقیقت کی طرف) منتقل ہو جانا جو حکمت کے شعبوں میں سے ایک عظیم شعبہ ہے اس کا بھرپور حصّہ آپ کو ملا تھا چنانچہ حساب کے دقیق مسائل نیز مسئلہ کے ماخذ یعنی کتاب و سنّت اور قواعد مقرّرہ و مسلّمہ کی روشنی میں مستنبط کرنے کے بے شمار واقعات آپ سے منقول ہیں۔

۹۔ اور زہد اور بیت المال کے تصرّف میں غایت احتیاط کھانے پینے

پہننے میں سادگی اور بیت المال کی تقسیم میں اپنی قرابت کا پاس و لحاظ نہ کرنا۔ ان امور میں بڑے بلند مقام پر فائز تھے۔

یہ اور اس قسم کے اور بہت سے مناقبِ جمیلہ آپ میں موجود تھے[1]

یہ بھی واضح رہے کہ "قرۃ العینین" میں شاہ صاحب ممدوح علیہ الرحمۃ کے پیش نظر اختصار ہے لیکن انھوں نے اپنی دوسری بے نظیر تصنیف ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء کی جلد دوم میں مناقبِ مرتضوی پر نہایت مبسوط بحث کی ہے۔ جس کی خوبی اس کے دیکھنے ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ یہ بحث بڑی تقطیع کے پورے چوبیس صفحات پر صفحہ ۲۵۱ سے لیکر ۲۷۴ تک پھیلی ہوئی ہے۔

حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علمی خدمات کے سلسلہ میں شاہ صاحب نے "ازالۃ الخفاء" میں جو کچھ ارقام فرمایا ہے اس کا نہایت ہی مختصر سا تعارف درج ذیل ہے۔ فرماتے ہیں:

۱۔ و نصیب او از احیاء علوم دینیہ آنست کہ جمع او کرد قرآن را بحضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۲۷۳)

۱۔ دینی علوم کے احیاء کے سلسلے میں ان کا حصہ یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں آپ نے قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔

چنانچہ تابعین کی ایک جماعت نے آپ سے قرآن مجید کو روایت کیا ہے اور اس روایت کا سلسلہ تا حال باقی ہے۔ امام عاصم جن کے شاگرد امام حفص کی قراءت آج تمام دنیا میں متداول ہے اور ہم اہل ہند و پاک بھی اسی قرأت میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں اس کا سلسلۂ اسناد بھی حضرت مرتضیٰؓ، حضرت

[1] ملاحظہ ہو "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" از ص ۱۳۸ تا ۱۴۰۔ طبع مجتبائی۔ دہلی سنہ ۱۳۱۰ھ

عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ پر منتہی ہوتا ہے۔ اسی طرح قراء سبعہ میں امام حمزہ کی قرأت کی سند بھی حضرت ذی النورینؓ و حضرت علی مرتضیٰ پر ختم ہوتی ہے۔ اور ان حضرات صحابہ نے خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرآن مجید اخذ کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ قرآن جو آج ہم پڑھتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اسی طرح بعینہٖ لوگوں کے سینوں میں جمع اور محفوظ تھا[1]

وے رضی اللہ عنہ از حفاظِ حدیث و از مکثرین صحابہ است۔ در بادی النظر قریب شش صد حدیث در کتب معتبرہ از احادیث مرفوعہ وے رضی اللہ عنہ مذکور است، و فی الحقیقت مرفوعاتِ او از ہزار بیشتر میتواں یافت (ص ۲۷۳)

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حدیث کے حفاظ اور مکثرین صحابہ میں سے تھے۔ بادی النظر میں تو چھ سو احادیث مرفوعہ کے قریب معتبر کتابوں میں آپ سے منقول ہیں لیکن درحقیقت آپ کی مرفوع احادیث ایک ہزار سے زیادہ مل سکتی ہے۔

آپ کی مرویات کی ایک اہم خصوصیت جس کی طرف شاہ ولی اللہ صاحب نے توجہ دلائی یہ بھی ہے کہ:

و بعض ابواب حدیث کہ پیش از وے روایت نکردہ بودند فاتحِ اوّل آں باب است (ص ۲۷۳)

اور حدیث کے وہ بعض ابواب جن کی آپ سے پہلے روایت نہیں کی گئی۔ اس باب کے بیان کرنے کی ابتداء آپ ہی سے ہوئی۔

چنانچہ اس سلسلے میں شاہ صاحب ممدوح نے خاص طور پر جن احادیث کی

[1] معلوم ہوا جو لوگ قرآن کی تحریف یا اس میں کمی بیشی کے قائل ہیں وہ مسلمان نہیں۔ نعمانی

نشاندہی کی وہ یہ ہیں :

۱۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلیۂ منوّرہ اور اوقاتِ شب و روز کے گزران کی کیفیت جو شمائل ترمذی میں مذکور ہے

۲۔ نمازِ مناجات جو نورانیتِ باطن میں بغایت مؤثر ہے اور "جامع ترمذی" میں مروی ہے۔

۳۔ نوافلِ یومیہ ضحیٰ، صلوٰۃ الزوال وغیرہ جو تصوّف کا خاص باب ہے اس کی روایت "مسند احمد" میں موجود ہے۔

وازمسائلِ فتاویٰ واحکام بسیارے نقل کردہ شد۔ خصوصًا در کتبِ امام شافعی و در مصنف عبدالرزاق و در مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ حصّہ وافرہ مذکور است (ص ۲۷۴)

آپ سے مسائل فتاویٰ واحکام بہت منقول ہوئے خصوصًا امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تصانیف میں، نیز مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ میں ان کا بڑا حصّہ مذکور ہے۔ [۱]

۴۔ و در بحث توحید و صفاتِ زبانے داشت فصیح و آں مبحث در خطب وے رضی اللہ عنہ یافتہ می شود، و از میان صحابہ

توحید وصفات الٰہی کے بارے میں آپ کی زبان فیض ترجمان پر فصاحت کے دریا جاری تھے یہ مضمون آپ کے خطبات میں پایا جاتا ہے۔ صحابۂ

[۱] بندہ راقم کہتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے اصحاب کی تصانیف میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جتنی روایتیں کی ہیں ان سے بھی زیادہ روایات مذکور ہیں۔

کبار وے کرم اللہ وجہہ باآں زبان منفرد است گویا در بابِ توحید و صفات از فن کلام متکلم اوّل او است و وے دراں مقامات از اصل سنت سنّیہ انبیاء بیروں نہ رفتہ (ص ۲۷۴)

کبار میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ اس بحث میں اپنے زور بیان میں منفرد ہیں۔ گویا فن کلام میں جو توحید و صفات کا باب ہے اس کے پہلے متکلم امت میں آپ ہی ہیں اور ان مقامات کے بیان میں انبیاء کی اصل سنت سنّیہ سے آپ نے قدم باہر نہیں رکھا ہے۔

۵ ـــ درباب تصوّف بحرے بود بغایت وسیع ...... قال الجنید رحمہ اللہ شیخنا فی الاصول والبلاء علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ (ص ۲۷۴)

اور علم تصوّف کا تو آپ ایک نہایت وسیع سمندر تھے ...... حضرت جنید رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اُصول اور بلاء میں تو ہمارے شیخ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں"

ـ و رسم فصاحت و بلاغت در خطب آوردہ او است بخلافِ خلفائے سابق باآں مشغول نمی شدند۔

خطبات میں فصاحت و بلاغت کا طریقہ آپ ہی کا جاری کردہ ہے خلفائے سابق اس میں مشغول نہ ہوئے۔

ـــ باز در زمانِ شیخین مشیر در مسائل دینیہ و وزیر در تدابیر ملکیۂ ایشاں بود و ایشاں در تعظیم و توقیر او دور دور رفتہ و مناقب و فضائل

پھر حضرت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد میں دینی مسائل کے مشیر اور ملکی تدابیر میں ان کے وزیر رہے اور یہ حضرات بھی ان کی تعظیم و توقیر بہت ہی زیادہ کرتے تھے اور ان کے مناقب

او رضی اللہ عنہ واضح ساختہ اند۔	وفضائل خوب کھول کر بیان
(ص ۴۷ ۲)	کرتے تھے۔

اور شاہ صاحب نے "قرۃ العینین" میں یہ بھی فرمایا ہے کہ:

اعتماد بر فتاوی عبداللہ بن	اکثر حالات میں حضرت عبداللہ بن
مسعود در غالب حال وبر	مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاوی
قضایائے مرتضیٰ در بعض	پر اور بعض حالات میں حضرت مرتضیٰ
احوال باآں شرط کہ اصحاب	رضی اللہ عنہ کے فیصلوں پر اعتماد
عبداللہ بن مسعود روایت	کرنا بشرطیکہ ان کو حضرت ابن مسعود
کردہ باشند واثبات نمودہ	رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلامذہ نے نقل
وبعد ازاں بر تحقیقات ابراہیم	کیا اور ثابت رکھا ہو[1] بعد ازاں ابراہیم
نخعی وشعبی وتخریجات ایشاں	نخعی وشعبی کی تحقیقات، وتخریجات کو
اصل مذہب ابی حنیفہ است	سامنے رکھنا یہ امام ابو حنیفہ کے مذہب
کہ بسبب آں صورت خاص	کا اصول ہے جس کی بنا پر ان کے مذہب
مذہب او پیدا شدہ (ص ۱۷۲)	کی ایک خاص شکل پیدا ہوگئی۔

[1] اس شرط کو ملحوظ رکھنے کی وجہ خود شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ بتائی ہے کہ:

اصحاب عبداللہ بن مسعود رضی	کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب ثقات
ثقات وفقہاء اند ورواۃ حضرت مرتضیٰ	اور فقہاء ہیں۔ اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
لشکریان مستور الحال۔	روایت کرنے والے ان کے لشکر کے وہ لوگ ہیں جن کا حال ظاہر نہیں۔
وحدیث مرتضیٰ بدرجہ صحت	چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہی حدیث
نرسیدہ است الا آنچہ اصحاب عبداللہ	صحت کے درجہ پہنچتی ہے کہ جس کو ان سے حضرت عبداللہ بن
بن مسعود روایت کردہ اند (قرۃ العینین ص ۱۷۱)	مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب روایت کرتے ہیں۔

اس سے اندازہ لگائیے کہ مذہب حنفی پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سب سے زیادہ جس کا اثر ہے وہ حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں۔

واضح رہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام فقہی مسائل مستقل کتاب کی صورت میں علیحدہ بھی مدوّن کر دیے گئے ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اپنے فتاوی میں رقمطراز ہیں:

لالکائی از محدثین اہل سنت مذہب	محدثین اہل سنت میں سے لالکائی نے
علی مرتضیٰ را در فقہیات از کتاب	مسائل فقہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ
الطہارۃ تا کتاب القضاء بہ ترتیب	تعالیٰ عنہ کے مذہب کو کتاب الطہارت
جمع کردہ کتابے مستقل در فقہ	سے لیکر کتاب القضاء تک جمع کر کے ایک مستقل
ساختہ است۔ ہر کسے کہ خواہد	کتاب فقہ کی تیار کر دی ہے۔ چنانچہ جو
بطرف آں کتاب رجوع کند[1]	شخص چاہے اس کتاب کی طرف رجوع کر سکتا ہے

حافظ شمس الدین الذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں محدث لالکائی کا ترجمہ لکھا ہے جو ان الفاظ میں شروع ہوتا ہے۔ اللالکائی الامام ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن الحسین بن منصور الطبری الرازی الحافظ الفقیہ الشافعی محدث بغداد۔ انھوں نے بہت سے محدثین سے حدیث کا سماع کیا تھا۔ فقہ کی تعلیم ابو حامد اسفرائینی سے پائی تھی۔ محدث خطیب بغدادی حدیث میں ان کے شاگرد تھے۔ رمضان ۴۱۸ھ ہجری میں وفات پائی۔ ان کی تصانیف میں اس کتاب کے علاوہ جس کا ذکر شاہ عبدالعزیز صاحب نے کیا ہے ایک کتاب السنہ ہے دوسری رجال صحیحین پر ان کی ایک تالیف ہے۔

[1] فتاوی عزیزی۔ ج۔ ۱۔ ص ۸۰۔ مطبع مجتبائی ۱۳۴۱ھ

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی احادیث مرویہ کو جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے لکھا۔ حدیث کی معتبر کتابوں میں علماء محدثین نے جمع کر دیا ہے۔ کتب حدیث کا ایک مستقل عنوان ہے "مسند" اس نام سے حدیث کی جتنی کتابیں جمع کی گئی ہیں ان میں ہر صحابی کے نام کے تحت اس صحابی کے تمام مرویات کو بلا لحاظ مضمون یکجا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ مسانید اسلام میں بکثرت مرتب ہوئیں۔ سیکڑوں ہزاروں کتابیں اسی عنوان کے تحت لکھی گئیں مگر ان میں سب سے مبسوط کتاب امام شیخ الاسلام ابو عبد الرحمٰن بقی بن مخلد القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۲۷۶ھ کی "مسند کبیر" ہے۔ حافظ ابن حزم اندلسی کا بیان ہے کہ اس مسند میں تیرہ سو سے زائد صحابہ کی مرویات درج ہیں اور پھر ہر صحابی کی حدیث ابواب فقہیہ پر بھی مرتب ہیں۔ اس اعتبار سے یہ کتاب "مسند" بھی ہے اور "مصنَّف" بھی۔ اس خوبی کی حامل کسی اور مصنّف کی کتاب نہیں[1]۔ شیخ الاسلام بقی بن مخلد علم حدیث میں بخاری و مسلم کے ہمسر تھے۔ امام ابن حزم نے تصریح کی ہے کہ

بقی کو امام احمد بن حنبل کی خدمت میں بڑا اختصاص حاصل تھا۔ یہ بخاری، مسلم نے اور نسائی کے ہم عناں ہیں۔	کانَ بقی ذا خاصۃ من احمد بن حنبل وجاریا فی مضمار البخاری و مسلم والنسائی[2]

[1] ملاحظہ ہو کشف الظنون، زیر عنوان "مسند امام بقی بن مخلد" خاکسار کہتا ہے کہ اسی صفت کی حامل شیخ الاسلام بقی بن مخلد کے معاصر امام ابن جریر طبری کی تہذیب الآثار بھی ہے لیکن افسوس ہے کہ یہ کتاب مصنف کی زندگی میں تمام نہ ہو سکی شیخ الاسلام بقی کی مسند تو آج دنیا میں ناپید ہے لیکن امام ابن جریر طبری کی کتاب کے کئی حصے زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔

[2] ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ از امام ذہبی ترجمہ بقی بن مخلد۔

حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ دو سو اسی ۲۸۰ سے زاید شیوخ حدیث سے انھوں علم حدیث اخذ کیا اور طلب حدیث میں مشرق و مغرب کو پے سپر کیا تھا۔ حافظ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں ان الفاظ میں ان کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے "وکان اماماً علَماً قدوۃً مجتھداً، لایقلد احداً ثقۃً حُجّۃً صالحاً عابداً متھجداً اوّاھًا، عدیم النظیر فی زمانہ"۔ متاخرین محدثین جو عام طور پر کسی صحابی کی مرویات کی تعداد بیان کیا کرتے ہیں وہ انھیں کی مسند کی مرویہ احادیث کی تعداد ہوتی ہے۔

حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویہ احادیث مرفوعہ کی تعداد شاہ ولی اللہ صاحب نے چھ سو کے قریب بتلائی ہے۔ حافظ ابن جوزی کی کتاب "تلقیح فہوم اہل الاثر فی عیون التاریخ والسیر" کا جو نسخہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے اور جس کو سید محمد یوسف ٹونکی نے اپنی تصحیح و اہتمام سے جید برقی پریس دہلی میں طبع کرا کر شائع کیا ہے اس میں اس "قریب" کی تعیین پانچسو چھتیس ۵۳۶ کی ہے۔ چنانچہ "اصحاب المئین" کے زیر عنوان اس کی عبارت یہ ہے:

علی ابن ابی طالب کی پانچسو چھتیس ۵۳۶ روایات ہیں اور حافظ ابو نعیم اصفہانی نے کہا ہے کہ چار سو سے زاید متونِ حدیث ان سے مروی ہیں طرق و اسانید کا اس میں شمار نہیں اور حافظ برقی کہتے ہیں کہ جو حدیثیں ہمارے پاس ان کی محفوظ ہیں وہ دو سو کے قریب ہیں۔	علی بن ابی طالب خمس مائۃ حدیث وستۃ وثلاثون، وقال ابو نعیم الاصفہانی اسند اربع مائۃ ونیفا من المتون سوی الطرق وقال البرقی الذی حفظ لنا عنہ نحو مائتی حدیث (ص ۱۸۴)

حافظ ابن جوزی نے تعداد حدیث کا سارا باب اسی مسند بقی بن مخلد سے

نقل کیا ہے البتہ اس سلسلہ میں وہ مزید اضافہ حافظ ابوبکر برقی کی تاریخ اور حافظ ابونعیم اصفہانی کی کتاب سے کرتے جاتے ہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویہ احادیث کی تعداد بیان کرتے ہوئے بھی انھوں نے کیا ہے۔

ہماری تحقیق کے مطابق "تلقیح" میں ستۃ و ثلاثون "۵۳۶" کے الفاظ غلطی سے طبع ہوگئے ہیں۔ اصل میں "ستۃ و ثمانون" ۵۸۶ ہیں۔ یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ اصل مخطوطہ منقول عنہا میں بھی یہ غلطی تھی یا مطبوعہ نسخہ ہی میں واقع ہوئی ہے۔ حافظ ابن حزم کے پیش نظر بھی "مسند بقی" ہی تھی اور انھوں نے بھی ایک مستقل رسالہ اس موضوع پر قلمبند کیا ہے۔ جو اُن کی کتاب جوامع السیرۃ "کے ساتھ آخر میں طبع ہوگیا ہے۔ اس میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی مرویات کی تعداد ۵۸۶ ہی مرقوم ہے اور یہی تعداد انھوں نے اپنی دوسری کتاب "الفصل فی الملل و الاھواء و النحل" میں لکھی ہے۔ چنانچہ ان کی عبارت حسب ذیل ہے:

ولم یروعن علی الاخمس مائۃ وستۃ وثمانون حدیثا مسندۃ یصح منہا نحو خمسین وقد عاش بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازید من ثلاثین سنۃ وکثر لقاء الناس ایاہ وحاجتہم الی ما عندہ لذھاب جمہور الصحابۃ رضی اللہ عنہم وکثر سماع اھل الآفاق منہ مرۃ بصفین واعواماً	حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پانچسو چھیاسی مسند حدیثیں مروی ہیں جن میں پچاس کے قریب صحیح ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد تیس سال سے زیادہ زندہ رہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بڑی جماعت کے گزر جانے کے سبب لوگ کثرت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے پاس جو علم تھا اس کی ان کو ضرورت پڑی چنانچہ کثرت سے اہل آفاق نے آپ سے حدیثیں

بالکوفۃ ومرۃً بالبصرۃ والمدینۃ (ج ۴۔ ص ۱۳۷)	سنیں کبھی صفین میں اور کئی برس کوفہ میں اور کبھی بصرہ اور مدینہ میں۔

حافظ ابن حزم نے جو تعداد بیان کی ہے یہی تعداد امام سیوطی کی تاریخ الخلفاءؒ اور علامہ خزرجی کی کتاب "خلاصۃ تذھیب تہذیب الکمال" میں مرقوم ہے۔ خزرجی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں بیس حدیثیں "متفق علیہ" ہیں یعنی امام بخاری و مسلم دونوں نے ان کو روایت کیا ہے اور نو حدیثوں کی روایت صرف بخاری نے کی ہے اور پندرہ کی صرف مسلم نے۔ غالباً اسی نقطۂ نظر سے ابن حزم نے صحیح احادیث کی تعداد پچاس کے قریب لکھی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ تعداد "صحیح لذاتہٖ" کی ہے جو محدثین کے نزدیک صحیح کی سب سے عالی قسم شمار کی جاتی ہے ورنہ ثبوت کے لحاظ سے حدیث کی چار قسمیں ہیں (۱) صحیح لذاتہ (۲) صحیح لغیرہ (۳) حسن لذاتہ (۴) حسن لغیرہ۔ یہ چاروں قسمیں بالاتفاق مقبول ہیں اور حجت مانی جاتی ہیں۔

پھر یہ بھی واضح رہے کہ یہ تعداد ان احادیث کی ہے جو "مسند بقی بن مخلد" میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہیں۔ ان کی جملہ مرویات کی یہ تعداد نہیں۔ بعض لوگوں کو اس سلسلہ میں یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ "مسند بقی" میں ہر صحابی کی مرویات کی جو تعداد مذکور ہے اس سے زیادہ اس صحابی سے اور کچھ مروی نہیں۔ یہ محض غلط ہے۔ حافظ ابن جوزیؒ "تلقیح" میں لکھتے ہیں:

وقد کان ابو عبد الرحمٰن بقی بن مخلد جمع فی مسندہ حدیثا کثیرا عن جمہور الصحابۃ فعدّ منہ بعض روایۃ الاحادیث التی یرویہا	ابو عبد الرحمٰن بقی بن مخلد نے اپنی مسند میں جمہور صحابہ کی حدیثیں جمع کی ہیں چنانچہ اسی بنا پر ہر صحابی نے جو حدیثیں روایت کی ہیں ان میں بعض کی تعداد اسی کتاب کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیان کر دی گئی ہے۔

كل صحابی فتوهم بعض المتاخرين ان الصحابی لايروی سوی ذلك وليس كما توهم وانما هو قدر ما وقع الی المصنف (ص۱۸۴)

اس سے بعض متاخرین اس وہم میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ یہ صحابی بس اتنی ہی حدیثیں روایت کرتے ہیں حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں جیسا کہ ان کو وہم ہوا ہے بلکہ یہ تو روایت کی اس مقدار کا بیان ہے جو مصنّف کو پہنچی ہے۔

مسندِ بقی تو آجکل نا پید ہے لیکن جو مسانید طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں وہ یہ ہیں :۔

۱۔ مسند امام ابوداؤد سلیمان بن داؤد طیالسی المتوفی سنہ ۲۰۴ھ جس کا شمار اسلام کے قدیم ترین مسانید میں ہے بلکہ بعض حضرات اس باب میں سب سے پہلی تصنیف انھیں کی مسند کو خیال کرتے ہیں۔ یہ مسند دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے سنہ ۱۳۲۱ھ میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ اس میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات صفحہ ۱۵ سے صفحہ ۲۶ تک درج ہیں مگر درمیان میں کچھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثیں بھی آگئی ہیں۔ آج کل اس کتاب کی مسند علی کی احادیث پر فرزند عزیز محمد عبد الشہید سلمہ اللہ تعالیٰ امام سخاوی کی ترتیب مسند طیالسی کے ایک قلمی نسخے کی مدد سے جس کا ایک حصہ ان کو دستیاب ہو گیا ہے کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جلد ان کو اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

۲۔ مسند امام عبد اللہ بن زبیر حمیدی المتوفی سنہ ۲۱۹ھ۔ یہ کتاب دو جلدوں میں مجلس علمی کراچی نے شائع کی ہے اور اس کی تصحیح و تحشیہ کا کام مولانا حبیب الرحمن صاحب محدث اعظمی نے انجام دیا ہے۔ مگر اس مسند میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت ہی کم روایتیں مذکور ہیں جن کی کل تعداد ۴۳ ہے۔

۳۔ مسند امام احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۴۱ھ۔ جو اس وقت موجودہ تمام مسانید میں سب سے زیادہ ضخیم ہے اور باریک ٹائپ پر چھ ضخیم جلدوں میں پہلے مصر اور پھر بیروت سے شائع ہو چکی ہے۔ اس "مسند" میں حضرت علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ کی روایات ص ۷۵ سے ۱۶۰ پر ختم ہوتی ہیں۔

"صحاح ستّہ" میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی روایات کی تعداد تین سو بائیس ۳۲۲ ہے جن کو ان سے ایک سو ترین صحابہ و تابعین نے نقل کیا ہے۔ ان سب احادیث کی فہرست حافظ جمال الدین مزی نے اپنی گرانقدر تصنیف "تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف" میں راویوں کے اسماء کو حروف تہجی پر مرتب کر کے پیش کر دی ہے اور ہر حدیث کے بارے میں نشاندہی کر دی ہے کہ صحاح ستّہ کے کس باب میں کس راوی کی سند سے وہ مروی ہے۔

ان کے علاوہ حدیث کی بکثرت قلمی اور مطبوعہ کتابیں ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بکثرت روایتیں پائی جاتی ہیں اور عین ممکن ہے کہ ان کتابوں میں بعض وہ حدیثیں بھی موجود ہوں جو "مسند بقی" میں نہیں ہیں۔

"صحاح ستّہ" کی بزم کے رکن رکین امام احمد بن شعیب نسائی المتوفی سنہ ۳۰۳ھ جو امام بقی کی طرح امام بخاری و امام مسلم کے ہم پایہ ہیں بلکہ بعض محققین حفاظ حدیث تو ان کو امام مسلم پر بھی فوقیت دیتے ہیں۔ انھوں نے مستقل طور پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثوں کو جمع کرنے پر توجہ دی اور ان کو ایک علیحدہ کتاب میں مدوّن کر دیا جس کا نام ہے "مسند امیر المؤمنین علی بن ابی طالب"۔

اسی دور کے ایک اور بزرگ حافظ علامہ ابو یوسف یعقوب بن شیبہ سدوسی بصری نزیل بغداد المتوفی سنہ ۲۶۲ ہجری ہیں۔ جو شیخ الاسلام بقی بن مخلد، امام محمد بن جریر طبری اور امام نسائی سب سے عمر اور طبقے میں بڑے تھے انھوں

نے بھی حدیث میں ایک بہت مسند لکھی تھی جس کا تعارف حافظ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں ان الفاظ میں کرایا ہے

ماصنف مسند احسن منه ولكنه ما اتمه	اس سے بہتر مسند تصنیف نہیں ہوئی لیکن وہ اس کو مکمل نہ کر سکے

اور اپنی دوسری مشہور تصنیف "سیر اعلام النبلاء" میں اس "مسند" کا ذکر ان لفظوں میں کرتے ہیں

المسند الكبير العديم النظير المعلل الذى تم من مسانيده نحو من ثلاثين مجلدا،	مسند کبیر عدیم النظیر معلّل، جس کی مسانید میں سے صرف تیس جلدوں کے قریب مکمل ہو سکیں۔
ولو كمل لجاء فى مائة مجلدا (ج-۱۲ص ۲۷۶)	ورنہ اگر یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتی تو سو جلدوں میں آتی۔

"معلّل" کا مطلب یہ ہے کہ احادیث کی اسانید کے ساتھ ان کے علل پر بھی تفصیل سے کلام کیا جائے۔ محدثین نے تصریح کی ہے کہ کوئی معلّل کتاب پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی کیونکہ اس کے ختم ہونے سے پہلے مصنف کی عمر ختم ہو جاتی ہے۔ یعقوب بن شیبہ بڑے پایہ کے محدث تھے۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے وکان من کبار علماء الحدیث۔ حق تعالیٰ نے ان کو دولت علم کے ساتھ دولت دنیوی سے بھی نوازا تھا۔ چنانچہ "مسند" کی تبییض پر دس ہزار اشرفیاں صرف کیں ان کی حویلی میں چالیس لحاف ان بییضہ نویسوں کے لئے تیار رکھے رہتے تھے جو اس خدمت کو انجام دینے کے لئے رات ان کے یہاں ہی بسر کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس مسند کی "مسند ابی ہریرۃ" کا حصہ جو مصر میں لوگوں کی نظر سے گزرا وہ دو سو جزء پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ مسند یعقوب کے جو اجزاء مبیضہ ہو کر منظر عام پر آئے۔ وہ مسانید عشرہ

مبشرہ، مسند ابن مسعود، مسند عمار، مسند عباس اور بعض موالی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسانید ہیں۔ ان میں صرف علی کرّم اللہ وجہہ کی مسند پانچ جلدوں پر مشتمل تھی[1]

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث نبوی کی روایت میں جن احتیاطوں کو مدنظر رکھتے تھے۔ امام ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں ان کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

۱- وكان اماما عالما متحريا فى الاخذ بحيث انه يستحلف من يحدثه بالحديث	حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام تھے عالم تھے۔ اخذ حدیث (یعنی روایت قبول کرنے میں) احتیاط برتتے تھے چنانچہ جو شخص بھی آپ کے سامنے کوئی حدیث بیان کرتا تو پہلے آپ اسے قسم لے لیتے

البتہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت اس اصول سے مستثنیٰ تھی کہ آپ ان کی روایت بغیر حلف لئے بھی قبول فرما لیتے تھے۔

۲- عن على قال حدثوا الناس بما يعرفون ودعوا ما ينكرون اتحبون ان يكذب الله ورسوله	حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، لوگوں کو وہ حدیثیں بیان کرو جو جانی پہچانی ہوں اور وہ نہ بیان کرو جن سے وہ بدکیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔

حضرت ممدوح کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد امام ذہبی نے یہ ارشاد فرمایا ہے :-

فقد زجر الامام على رضى الله عنه عن رواية المنكر وحث على التحديث بالمشهور وهذا اصل كبير فى الكف	(اب دیکھئے) بلاشبہ امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منکر (اوپری) روایات کے بیان کرنے سے سختی سے روک دیا اور مشہور روایت کے بیان کرنے کی ترغیب

[1] ان ساری تفصیلات کے لئے "تذکرۃ الحفاظ" امام ذہبی میں ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

عن بث الاشياء الواهية والمنكرة من الاحاديث فی الفضائل والعقائد والرقائق ولاسبيل الى معرفة هذا من هذا الا معان فی معرفة الرجال -

دلائی اور یہ فضائل، عقائد و مواعظ کے بارے میں واہی اور منکر روایات کے بیان کرنے سے رک جانے کا بڑا کارآمد اصول ہے اور منکر کی غیر منکر سے شناخت جب تک فن رجال میں گہری نظر نہ ہو نہیں ہو سکتی۔

٣- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان چند صحابہ میں شامل ہیں جن کو عہدِ رسالت میں حدیث نبوی کی کتابت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے نقل کیا ہے:-

عن علی قال ما كتبنا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم الا القرآن وما فی هذه الصحيفة -

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ علیہ وسلم سے سوائے قرآن کریم کے اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے (جو تمہارے سامنے ہے) اور کچھ نہیں لکھا۔

اس صحیفہ کا ذکر حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ یہ حدیثیں چند فقہی احکام سے متعلق تھیں۔ حافظ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب بہت ہیں اور میں نے ایک مستقل کتاب آپ کے لئے فضائل اور مناقب پر لکھی ہے جو ایک پوری جلد میں ہے اور اس کا نام ہے "فتح المطالب، فی مناقب علی ابن ابی طالب"۔

احادیث نبویہ کے مطالب و معانی کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد بھی آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے:

اذا حدثتم عن رسول الله

جب تمہارے سامنے آنحضرت

صلى الله عليه وسلم حديثا فظنوا به الذی هو اهنا والذی هو اهدى والذی هو اتقى (مسند احمد بن حنبل ج ١ - ص ١٣٠)

صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کی جائے تو وہ معنی لو جو سب سے زیادہ عمدہ، سب سے زیادہ قرین ہدایت اور سب سے زیادہ تقویٰ کو بتاتے ہوں۔

محدثین نے اختلافِ روایت کے تحت ترجیح کے بہت سے اصول بیان کئے ہیں، چنانچہ حافظ ابوبکر حازمی نے اپنی مشہور کتاب "الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار" میں پچاس کے قریب وجوہ ترجیحات ذکر کی ہیں۔ یہ کتاب مصر اور ہندوستان دونوں جگہ طبع ہو چکی ہے۔ اس میں پچاسواں ضابطہ یہ بتایا ہے کہ جب کسی ایسے مسئلے میں دو مختلف حدیثیں وارد ہوں کہ جن کا تعلق قضاء سے ہو تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت کردہ حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔

اہل سنت میں مذہب حنفی کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خصوصی نسبت ہے۔ یہ مذہب آپ کے انفاس قدسیہ کی خصوصی برکات کا حامل ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے جدامجد ایک بار اپنے صغیر السن صاحبزادہ جناب ثابت علیہ الرحمہ کو جو امام صاحب کے والد ماجد ہیں لے کر خدمت مرتضوی میں حاضر ہوئے تو حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کے اور اُن کی اولاد کے حق میں برکت کی خصوصی دعا فرمائی تھی۔ چنانچہ یہ اسی دعا کی برکت کا اثر ہے کہ فقہ حنفی کو چار دانگ عالم میں غلبہ نصیب ہوا اور آج بھی اسلامی دنیا کی غالب اکثریت اسی مذہب کی پیرو ہے۔ فقہ مرتضوی کا اصل ترجمان مذہب حنفی ہی ہے۔ دور کیوں جائیے۔ نماز کے مشہور مسائل

آہستہ سے آمین کہنا۔ رکوع میں جاتے ہوئے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین نہ کرنا۔ زیر ناف ہاتھ باندھنا، گاؤں میں نماز جمعہ و عیدین کا نہ پڑھنا، تراویح کی بیس رکعت۔ ان تمام مسائل میں فقہ حنفی میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہی کے فتاوٰی پر عمل ہے۔

صحیح مسلم کے مقدمہ میں مغیرہ بن مقسم ضبی علیہ الرحمہ سے جو کوفہ کے مشہور فقہا و محدثین میں ہیں اور امام حنیفہ رحمہ کے استاد بھی۔ مروی ہے کہ

لم یکن یصدق علی علیؓ فی الحدیث الا من اصحاب عبد اللہ بن مسعود

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات میں صرف وہی روایت درست سمجھی جاتی تھی جس کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ کے تلامذہ ان سے نقل کرتے تھے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اسی مسند علمی کے صدر نشین ہیں جس کا سلسلہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب سے عہد بعہد آپ تک منتہی ہوا۔ اسی لئے مذہب حنفی میں حضرت مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو علم منتقل ہوا وہ بالکل صحیح طریقہ پر منتقل ہوا۔ پھر مذہب حنفی میں جس کثرت سے اولیا ہوئے ہیں دوسرے مذاہب میں نہیں ہوئے۔ تمام اولیاء اللہ کے سلاسل حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔

امام حافظ شمس الدین ذہبی نے جو علم تاریخ اور اسماء الرجال کے ایک عنصر خیال کئے جاتے ہیں۔ اپنی مشہور بے نظیر کتاب "سیر اعلام النبلاء" میں تصریح کی ہے کہ

فافقہ اھل الکوفۃ علی وابن مسعود، وافقہ اصحابھما علقمہ، وافقہ

اہل کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ علی اور ابن مسعود ہیں، اور ان دونوں کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ علقمہ ہیں اور علقمہ

اصحابہ ابراھیم، وافقہ اصحاب ابراھیم حماد ابو حنیفہ، وافقہ اصحابہ ابو یوسف، وانتشر اصحاب ابی یوسف فی الآفاق، وافقھم محمد، وافقہ اصحاب محمد ابو عبد اللہ الشافعی رحمھم اللہ تعالیٰ

(ج ۔ ۵ ص ۲۳۶)

کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ ابراہیم نخعی ہیں اور ابراہیم کے اصحاب سب سے بڑے فقیہ حمّاد ہیں اور حمّاد کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ ابو حنیفہ ہیں اور ابو حنیفہ کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ ابو یوسف ہیں۔ پھر ابو یوسف کے اصحاب آفاق عالم میں پھیل گئے۔ اور ان میں سب سے بڑے فقیہ محمد ہیں۔ اور محمد کے اصحاب میں سب سے بڑے ابو عبد اللہ شافعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان سب پر رحمتیں نازل ہوں۔

ہمارے محترم دوست سیّد جمیل احمد نقوی صاحب کی یہ بڑی سعادت ہے کہ حق تعالیٰ نے اُن کو یہ توفیق بخشی کہ حضرت مرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی جتنی روایت کردہ احادیث، حدیث کی مشہور و متداول کتاب "مشکوٰۃ المصابیح" میں موجود ہیں ان سب کو انھوں نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ یہ کام علماء کے کرنے کا تھا۔ سیّد صاحب عالم نہیں مگر توفیق حق ہے جس کو ارزانی ہو جائے۔ سچ ہے ؎

دادِ اُو را قابلیت شرط نیست

بلکہ شرط قابلیت دادِ اوست

دُعا ہے کہ حق تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرما کر اس پر اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین والحمد للہ اوّلاً وآخراً وصلی اللہ علی سیّدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

محمد عبد الرشید نعمانی
۱۰ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الاسلام والمستشرقون
ندوۃ عالمیۃ
۲۱-۲۳ فبرایر ۱۹۸۲م الموافق ۲۶-۲۸ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ
دار المصنفین (اکادیمیۃ شبلی) اعظم کرہ (الهند)

SEMINAR ON
Islam and Orientalists
21 st to 23rd February, 1982
DARUL MUSANNIFEEN (Shibli Academy)
AZAMGARH (INDIA)

Ref. No ________

Date ________

الاشارۃ ________
التاریخ [illegible]

محب گرامی منزلت، و فاضل گرامی قدر جناب مولانا عبد الرشید نعمانی صاحب [illegible]

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ [illegible]

[illegible]

ابوالحسن علی

۱۵ رجب [illegible]

کل حقیقت سے بے خبری افسانوں کو جنم دیتی تھی

آج :-

ملتِ اسلامیہ میں تفریق کیلئے دیدہ و دانستہ حقیقتوں کی جگہ تاریخ کے نام پر افسانے تراشے جا رہے ہیں۔

ایک ایسا ہی افسانہ یزیدیت کی نئی شکل و صورت ہے۔

اُسے تقویٰ اور تقدس کا لباس پہنایا گیا ہے۔

اور مقصد ——— سبطِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جگر گوشۂ بتول رضی اللہ عنہا کی کردار کشی ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہٗ پیرانہ سالی میں

تحقیق (علیٰ اساس الحدیث والایمان) کی راہیں سہل کیں

اور

انھوں نے احادیث اور مستند حوالوں کی بنیادوں پر یزید کی حقیقی شخصیت کو اپنی تصنیف

یزید کی شخصیت ——— اہلِ سنّت کی نظر میں

پیش کر دیا ہے۔ یہ کتاب تحقیق اور حمیت ایمانی کا مرج البحرین ہے۔
کتاب کا نیا اڈیشن کئی اضافوں کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

قیمت ——— روپے

پتہ

مکتبہ اہلِ سنّت و جماعت ۳۸۶ قاسم آباد۔ کراچی ۱۹

شہداءِ کربلا پر افتراء

کسی قوم کی تاریخ اس سے چھین لی جائے یا مسخ کر دی جائے

تو وہ قوم اپنے امتیاز اور اپنی شناخت سے محروم ہو جائے گی۔

تحقیق کے نام پر

○ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی شخصیت کو داغ دار بنایا گیا۔

اور

○ حضرت حسینؓ کی شہادت کو "خروج" اور "بغاوت" قرار دیا گیا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد عبد الرشید نعمانی مدظلہٗ کی کتاب

شہدائے کربلا پر افترا

○ حدیث، تاریخ اور تحقیق کی روشنی میں اِس فتنہ کا مدلل جواب ہے۔

○ اس کتاب نے ناصبیت کے ایوانوں میں سکوت پیدا کر دیا ہے۔

○ اس کتاب کے مطالعے سے آپ دشمنانِ اہل بیت کی تاریخی اور علمی تحریفوں سے آگاہی حاصل کر سکیں گے۔

○ یہ کتاب داستانِ کربلا اور نقشِ حسینؓ ہی نہیں بلکہ اس سے شہادت کی قدر و قیمت آپ پر روشن ہو گی اور آپ اپنی تاریخ کے ایک نہایت نازک موڑ کے مطالعے سے کامگار و کامران گزر سکیں گے۔

اس کتاب کے بارے میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہٗ نے فاضل مصنف کے نام اپنے مکتوب گرامی مورخہ ۲۳ شعبان ۱۴۰۲ھ میں فرمایا ہے۔

"شہدائے کربلا پر افترا" آپ کی ایک بڑی خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل بیت مظلومین کی طرف سے اور عترت نبویہ کی طرف سے آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے، میں عرصہ سے اس کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ ایک محقق فاضل کا قلم جس کو اللہ تعالیٰ نے حمیت دینی کے ساتھ توازن و اعتدال کی دولت بھی عطا فرمائی ہے اس موضوع پر اٹھا اللہ تعالیٰ آپ کی سعی مشکور فرمائے۔"

ناشر: مکتبہ اہل سنت و جماعت ۳۸۶ قائم آباد۔ کراچی ۱۹

ردِّ ناصبیت میں ہماری مطبوعات

۱- اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم پر بہتان — مصنف: محقق العصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی
۲- شہدائے کربلا رضی اللہ عنہم پر افتراء — 〃 〃
۳- یزید کی شخصیت اہلسنّت کی نظر میں — 〃 〃
۴- ناصبیت تحقیق کے بھیس میں — 〃 〃
۵- حضرت علی اور قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہما — 〃 〃
۶- یزید علمائے اہلسنت (دیوبند) کی نظر میں — مرتب: قاری محمد ضیاء الحق

اس کے علاوہ

۷- حِزبُ البحر - حکیم الامت حضرت مولانا مولوی قاری محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ
۸- مقالاتِ نعمانی - محقق العصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی (زیر ترتیب)

ملنے کے پتے

مکتبہ اہل سنت و جماعت ۲۸۶ قاسم کیلوں لیاقت آباد کراچی ۷۵۹۰۰ — الرحیم اکیڈمی بلاک ۱/۱ اعظم محمد اکوٹہ لیاقت آباد کراچی ۷۵۹۰۰ نفیس اکادمی الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور ۵۴۰۰۰ — مکتبہ سید احمد شہید الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور ۵۴۰۰۰ — مکتبہ قاسمیہ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور ۵۴۰۰۰ — نفیس پبلشرز اینڈ نفیس کمپوزنگ سینٹر ۱۰ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور۔ قمر بک ڈپو قاسم آباد لیاقت آباد کراچی

قیمت /۴۰ روپے

سبحان الله العظيم

مشقہ محمد عبدالرحیم غفر اللہ ذنوبہ سنہ ۱۳۲۹ھ

ہو الغنی

امانی ز بانہ جنبشی آسمان کیہان آسمان
ہزار بوسہ کہ ہائے جسم جنین ہی جان آسمان

بہ دیدہ بین مردہ کو نخ نہ باشی ہمہ
بہ یک لب ... زیبا ہی لب ہائے قطرہ ہمہان
حوتیں و نعیم

مشقہ محمد عبد الرحیم غفر اللہ ولوالدیہ ۲۲ ... ۱۳ ھ